۶۔۳۴

ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم

الاجتہاد

دار العلم لکھنو کا ماہواری علمی ادبی اخلاقی رسالہ

(زیر حمایت) جناب مولانا مولوی سید ابو الحسن صاحب قبلہ صدر الافاضل (مدظلہ)

مدیر

حکیم عباس علی عرف ابن صاحب

باہتمام سید محمد رضی منیجر

سرفراز قومی پریس وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

قواعد الاجتہاد

(۱) یہ رسالہ ہر ماہ انگریزی کے دوسرے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۲) حجم رسالہ مذکورہ کا فی الحال ۳۲ صفحات سے کم نہوگا۔

(۳) یہ رسالہ جملہ خریداروں کے نام بذریعہ ڈاک روانہ ہوگا۔

(۴) اگر خریداروں کے پاس کسی وجہ سے نہ پہونچ سکے تو ۲۸ ماہ انگریزی تک دفتر میں اطلاع پہونچنے پر دوبارہ بھیجا جائیگا ورنہ عدم تعمیل کی معذوری ہوگی۔

(۵) الاجتہاد کی سالانہ قیمت فی الحال ۲ اور شش ماہی ۱/۸ ہوگی اگر قوم نے توجہ کی تو اسی قیمت میں رسالے کے اجزا میں ترقی کیجائیگی

(۶) جملہ مراسلات و ارسال زر وخط و کتابت بنام "مدیر الاجتہاد" پاٹا نالہ لکھنؤ دفتر الاجتہاد

(۷) مضمون نگار حضرات کے مضامین اگر رسالہ مذکور کے حدود منازل سے متجاوز نہونگے اور صحیح و درست و صاف ہونگے بخوشی و شکر گزاری شائع کیے جائیں گے۔

(۸) چونکہ رسالہ کی بقا قوم کی توجہ اور قدردانی پر موقوف ہے لہذا بغیر استعانت ارسال خدمت نہو سکے گا۔

(۹) نمونہ کا پرچہ ۱/ کا ٹکٹ وصول ہونے پر روانہ خدمت کیا جائے گا۔

(۱۰) خریداروں سے عرض ہے کہ بوقت خط و کتابت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(۱۱) جواب طلب امور کیلیے جوابی کارڈ ضروری ہے۔

(۱۲) مضامین موصولہ ضرور مطبوع ہونگے اسکا ذمہ دار مدیر نہوگا اور نہ واپسی لازم ہے۔

اغراض و مقاصد الاجتہاد

(۱) حضرات ائمۂ معصومین علیہم السلام کے علوم کا نشر

(۲) مخالفین اسلام کے بیجا اعتراضات اور شبہات کا دفعیہ۔

(۳) قوم کے بہترین اہل قلم کے علمی مضامین کی اشاعت

(۴) علمی مذہبی اور قومی اور اُنکے ملکی معاملات جو مذہب سے تعلق رکھتے ہونگے انپر تنقیص و تنقید۔

(۵) ادبی مضامین کی اشاعت

(۶) اسلام کا بہترین مذہب ہونے کا ایضاح

نرخ اشتہارات

حضرات مشتہرین اشتہار بھیجنے کے وقت ذیل کے نرخ نامہ کو ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک سال کے لیے	عـــه ر	عـــه	معہ ر
چھ ماہ کے لیے	لہ عـــه ر	ســـ ر	ہے ۸ ر
تین ماہ کے لیے	معہ ر	للعہ ر	عہ ۸ ر
ایک ماہ کے لیے	للعہ ۸ ر	عہ ۸ ر	عہ ۸

کمی اُجرت کی خواستگاری سے معافی

ٹیٹل پیج کے اشتہارات کی اُجرت بذریعہ خط و کتابت طے فرمائیں۔

مجھے گمان غالب ہے کہ ہندوستان کے اندر اس سے کم اُجرت پر کسی رسالہ میں اشتہارات شائع نہوے ہوں گے۔

لیس الجمال باثواب تزیننا ان الجمال جمال العلم والادب

نمبر (۱) — ماہ شعبان المعظم ۴۸ھ مطابق جنوری ۳۰ء — جلد (۱)

شیم اللیالی ان تبلک ناقتی
ضد رمی بها افضی ام البید

دردِ دل

دل خانہ خراب کی [illegible] درد [illegible] رسالہ [illegible] آبدار کی طرح اربابِ علم و صاحبان ذوق کی خدمت میں پیش ہو [illegible] پر مائل کردے۔ لیکن ناتجربہ کاری پیشہ ور حضرات کا فطری تخیل [illegible] کیا [illegible] کا جملہ یاد کر کے میں نے ان کے اعتذاراتِ باردہ کو ٹھنڈے دل سے سُنا۔

میرے چند دوست [illegible] ملاقاتی جن سے [illegible] امید تھی کہ [illegible] منقلب ہو جائیگا لیکن ان حضرات کی زمینِ دل کروٹ نہ لے گی'۔ اب جو ضرورت کے وقت ان کو آواز دی تو ورقِ صحیفۂ قلب نقشِ محبت سے سادہ تھا تحیر جو کچھ بھی ہوا وہ ہوا مگر میرے ارادۂ مستقل میں تذبذب کی بو بھی نہ آنے پائی بلکہ بڑھ کر یہ دلِ صد پاش کی حسرتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ علی اللہ التوکل وبہ الاعتصام کے عقیدہ نے مدد کی اور میں نے رسالہ کو اُس قاشِ دل کی صورت میں پیش اربابِ نظر کرنے کا مصمم قصد کر لیا۔ جو دُنیا کی ٹھوکروں سے پائمال ہو کر گلِ خزاں رسیدہ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس اعتقاد پر کہ قادرِ مطلق بعد موت و پژمردگی روحِ تازگی و خلعتِ حیات سے آراستہ کرنے پر قادر ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ حقیر خدمت پبلک کو پسند آجائے اور آئندہ وجود رسالہ کے ساتھ انتفاع ہو الہی بھی ہو جائے۔ تاکہ میں اس رسالہ کو اُن جواہرات سے مزین کر کے خدمتِ ناظرین میں پیش کر سکوں جن کے خزینہ دار دل و دماغ سے امانت دار ہیں۔

"مدیر"

مضامین خاص
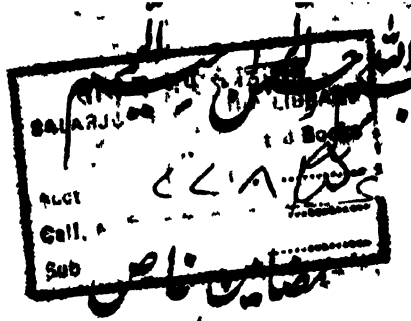
(مولانا سید ابوالحسن صدر الافاضل)

تنظیم

دنیا میں ہر ایک چیز پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہی ہے کہ ہر شے اپنے مقام پہ باقاعدہ و منظم ہے لیکن جب تنظیم حقیقی میں خرابیاں پیدا ہونے لگتی ہیں تو وہی شے جو ایک وقت میں ہماری دلچسپیوں کا باعث ہوتی تھی پریشانیوں اور اضطراب کا سبب ہو جاتی ہے۔

(تنظیم جسمانی)

مثلاً مملکت جسم کے خوش انتظامی کے صحیح معنی یہ ہیں کہ معدہ فعل ہضم میں کوتاہی نہ کرے جگر اپنے فرض منصبی یعنی خون صالح کی تولید میں مدد اے طبیب کا محتاج نہ ہو سلطان مملکت جسم یعنی قلب کو اپنے وزیر خاص دماغ کی قوتوں پر بھروسہ ہو یہی وہ اساسی اصول ہیں کہ جس میں درہمی و برہمی کا آغاز انجام فنا کی خبر دیتا ہے

تنظیم سوسائٹی

درحقیقت ذی بزم یا محفل کی شخصیت خاصہ کی محتاج نہیں ہے بلکہ ایک نقطۂ خیال پر متعدد افراد کے جمع ہو کر انعقاد بزم کر سکتے ہیں فرض کیجئے کہ ایک نشست میں دس آدمی ہیں تو ان سب کا رئیس و امیر کبیر ہونا

ذہنیت و فکر سلیم کی دولت بے اندازہ ہے تو کیوں ان کمزور ہستیوں کے حقوق پائمال کئے جاویں اور کیوں نہ انکی قوت دماغی سے مدد لیجائے لیکن جب مختلف مذاق و ترتیب کے اشخاص پر بزم مشتمل ہو تو اسوقت ترتیب و تالیف اجزائے محفل کی سخت ضرورت ہے جسکو ماہرین علوم فلسفہ و حکمت بہترین طریقہ سے انجام دے سکتے ہیں۔

تنظیم ملکی

یہی وجہ ہے کہ تدبیر و تنظیم ملک میں بھی ملحوظ ہوتی ہے اس اہم سبب سے قرون ماضیہ میں سلطان وقت کو تمام علوم و فنون میں یکتائی کا درجہ حاصل کرنیکی سعی و کوشش میں عیش کی گھڑیاں محنت و تکلیف میں بسر کرنا پڑتی تھیں اور اس عہد جدید میں بھی یہی خصوصیات دامن شاہ سے وابستہ ہیں۔ گو اس افزائے جدید نے اکثر ممالک کی طرز حکومت میں بیجا تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ کیونکہ شخص واحد کی قوت دماغ مختلف اقوام پر حکمرانی میں دامن انصاف سے متمسک نہیں رہ سکتی لہذا جمہوریت کا دور شروع ہوا تاکہ عدل و انصاف و جذبات مذہبی کے تصادم کو مد نظر رکھکر حکومت کی عملی صورت میں استحکام کے ستون قائم کئے

مذہبی معلومات

آریہ کیا کہتے ہیں

مذہب آریہ جسکے اثرات عالمگیر ہو رہے ہیں اسکے حلقہ بگوش اصحاب کا عقیدہ ہے کہ انسان کی روح مرنے کے بعد کسی دوسرے دنیوی جسم میں بطور سزا و جزا منتقل ہوتی ہے اگر عمل نیک ہیں تو اچھے جسم میں جاتی ہے اور اگر عمل برے ہیں تو ہیکل قبیح میں مقید کی جاتی ہیں۔ اسی کا نام تناسخ ہے اہل تناسخ عموماً اس بات کے مدعی ہیں کہ روحیں ہمیشہ آواگون کے چکر میں اسیر رہتی ہیں اسی وجہ سے اس جماعت نے روح و مادہ کو قدیم ازلی و ابدی مانا ہے۔ سناتن دھرمیوں نے بعض مواقع پر دائمی نجات کو تسلیم کیا ہے لیکن آریہ سماجیوں نے عارضی نجات کو۔

مسلمانوں کے عقائد

لیکن اہل اسلام سوائے ذات واجب الوجود کے ہر شے کے حادث و فانی ہونے کے قائل ہیں اس لئے وہ روح و مادہ کو بھی حادث کہتے ہیں۔

دلائل ابطال قدامت روح و مادہ

جو شے قدیم واجب الوجود اور مستقل بالذات ہو یعنی آپ سے آپ ہو اور اپنے وجود میں کسی دوسری شے کی محتاج نہ ہو ضرور ہے کہ وہ شے کامل بھی ہو اور اس میں کسی طرح کا نقص نہ ہو کیونکہ اس صورت میں دو شقیں خیال میں آتی ہیں۔

(ا) یا تو وہ نقص اس قدیم شے نے اپنے وجود کے ساتھ خود اختیار کر لیا ہے۔

(ب) یا کسی غیر کی طرف سے اسکے وجود میں وہ نقص داخل کیا گیا ہے۔

صورت اول بدیہی البطلان ہے جو شے قدیم بالذات ہو وہ اپنی ذات میں کسی قسم کا نقص از خود قبول نہیں کر سکتی لہذا صورت دوم کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ وہ نقص اس شے میں کسی غیر کی طرف سے ہے۔

اب وہ غیر جو اس ذات میں نقص پیدا کرے ضرور ہے کہ خود کامل بالذات ہو اگر اس سے کامل تر کوئی ذات مانی جائے گی تو یہ سلسلہ برابر جاری رہیگا اور تسلسل لازم آئے گا جو سراسر باطل ہے لہذا یہ سلسلہ کسی کامل بالذات پر ختم ہوگا کہ جو جامع کمالات

حدوث روح و مادہ

روح و مادہ کے نقائص بدیہی ہیں مثلاً روح کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کے علوم میں تدریج ترقی ہوتی ہے جسمانی صدمات سے اسکے افعال میں فرق پڑ جاتا ہے اسکی قوتیں مثلاً حافظہ وغیرہ کمزور ہیں اس کا علم بہت محدود ہے۔ اسی طرح مادہ کے کیفیات پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہے کہ مادہ بے جان بے شعور ہے قابل تغیر و قابل تصرف اور یہ بھی ثابت نہیں کہ مادہ کو کم از کم اپنی ہستی کا کوئی علم ہے۔

مخلوقات عالم کے یہ نقائص ایک کامل بالذات حکیم مطلق کا پتہ دیتے ہیں ہر شے میں اسباب و نتائج کا عجیب سلسلہ [illegible] رعایت کیے گئے دلائل ایسے بدیہی [illegible]

بھی موجود ہیں، جو اُسکے مخلوق اور حادث ہونے کی بدیہی دلیل گویا خالق نے جملہ موجودات عالم پر حدوث کی مہر لگا دی ہے

معرفت خالق کائنات کیوں واجب ہے

واقعہ یہ ہے کہ جسطرح تعمیر میں بنیاد عمارت کے استحکام کی سخت ضرورت ہے تاکہ بلندی قصر نیو کی کمزوری سے سرنگوں نہو جائے اسی طرح مذہب کے اصول وقواعد اساسی کا ذہن وقوت حافظہ میں فہم سلیم کے واسطے سے راسخ ہونے کی شدید حاجت ہے ورنہ فروعات کے بار کا تحمل قوت نفس بشری سے ممکن نہیں۔ گو آجکل دُنیا محض عقلی ہو رہی ہے ہر شے کو روشنی عقل میں دیکھنا چاہتی ہے مگر توجہ سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی جوہر قوت دماغ یہ ہی چراغ نور پاش بعض ذروں کی تاریکی دور نہیں کر سکتا بلکہ ہاں چراغ ہدایت و شمع رسالت نبوت کی تیز مگر ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی چاہیے ہوتی ہے۔ بہرحال مسئلہ وجوب معرفت جناب باری محض سمعی استدلال کا ممنون نہیں ہے بلکہ اسلامی شعائر کے محافظین نے اس مسئلہ مذکور پر تین شمعوں کی یکبارہ روشنی ڈالی ہے جو عقلی و نقلی استدلال کے فانوس میں ہیں۔

شمع اول

ارباب حل و عقد کا اتفاق ہے کہ جس نے موجودات کو خلق فرما کر لا تعد و لا تحصیٰ عجائب و غرائب و کمالات سے آراستہ فرمایا ہے اُسکی معرفت واجب ہے اور حکم اجماع کے آگے سر اطاعت خم کرنا واجب لہذا معرفت پروردگار واجب ہوئی کیونکہ مذہب امامیہ میں اتفاق حل و عقد لسی امر پر امور دینیہ سے کاشف ہے قول معصوم سے اور عامہ بمفاد لا تجتمع امتی علے خطاء اجماع کی حجیت تسلیم کرتے ہیں

شمع دوم

اسوقت گلشن عالم میں مختلف رنگ و خوشبو کے مذہبی پھول کھلے ہوتے اگر ایک گل مذہب کی خوشبو کی ہوا سے دماغ کو معطر کر رہی ہے تو ممکن ہے کہ دوسرے پھول میں خوشبو زائد ہو اوراسیطرح تیسرے اور چوتھے پھول میں یہ ہی احتمال جاری ہو سکتا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کو عقل کی روشنی میں نہ پہچانا جائیگا تو اختلاف مذاہب کثیرہ کی فوج کسی مذہب کی پابندی پر مطمئن نہ ہونے دے گی۔ بلکہ خوف رہے گا کہ ممکن ہے یہ مذہب عقیدہ صحیح نہو لیکن معرفت خداوند عالم اس خوف کی دافع ہے اور دفع خوف عقلاً واجب ہے کیونکہ خوف درحقیقت ایک مرض روحانی ہے جسکا زائل کرنا اپنی قوت و اختیار میں ہے لہذا وہ خوف نفسانی کہ جو عدم معرفت سے طاری ہوتا ہے معرفت رب العزت حاصل کرکے دفع کرنا چاہیے نیز یہ بھی کہ شکر منعم واجب ہے لیکن شکر منعم بدون معرفت منعم تمام نہیں ہوتا۔ وجوب ادائے شکر منعم و محسن پر دلیل یہ ہے کہ عقلاً تارک شکر کو مستحق مذمت کہتے ہیں اور استحقاق مذمت اسیوقت حاصل ہوتا ہے کہ جب اس شے کو ترک کیا جائے جسکا ترک ناروا ہو لہذا معلوم ہوا کہ ادائے شکر منعم واجب ہے لیکن منعم کی معرفت اسواسطے ضروری ہے کہ شکر مناسب حال مشکور مستحسن ہے اور مناسب حال مشکور شکر ہو نہیں سکتا جب تک کہ معرفت منعم نہ ہو۔ اور اگر بغیر معرفت منعم شکر ادا کیا تو وہ شکر کیے جانے کے قابل نہیں لیکن خداوند عالم منعم ہے لہذا اُسکا شکر واجب لہذا اسکی معرفت واجب۔

شمع سوم

وجوب معرفت خالق دو عالم پر قرآن مجید بھی اپنے جواہر الفاظ کے ساتھ استدلال کر رہا ہے ایک جگہ پر نہیں بلکہ متعدد مقامات میں مختلف سورہ دہیں ہمیں اپنے دعوی بر برہن کرنیکے لیے ایک مختصر آیت پیش کرنا ہے خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ لہذا یہ نکتہ سمجھ لینے کے قابل ہے کہ صیغہ امر حقیقت میں وجوب میں

فاروق اعظم

ناظرین کرام۔ ہم قائل مقولۂ لولا علی لہلک عمر کی تاریخی نقطۂ نظر سے تصویر کھینچکر منظر عام پر لانا چاہتے ہین جس مین اپنی عقل وقیاس کو مطلق دخل نہین دیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مورخین سے کوئی چوک ہوگئی ہو اس کے ہم ذمہ دار نہین ہین۔

العلم عند اللہ

حضرت فاروق اعظم۔ آپ کا نام نامی عمر اسم گرامی حضرت عمر کنیت ابو الحفص۔ ابن خطاب بھی خطاب ہے مسند خلافت زیر نگین آئی تو امیر المومنین خلیفۂ ثانی کہلائے۔ پہلے یہود پھر مسلمانون نے فاروق کہا اب امتیازاً عامۂ مسلمین مین فاروق اعظم ہین۔

مختصر نسب نامہ

آپ خطاب ابن نفیل کے فرزند رشید و سعید ہین والدہ ماجدہ آنجناب کی غنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ تھین آپ باپ ماں دونون طرف سے قریشی النسل ہین۔

پیدائش

سنہ عیسوی ۵۸۳ تھا کہ حضرت عمر مکہ مین پیدا ہوے لکھا ہے کہ پیدائش کے روز والدین نے بیحد خوشی منائی تھی کچھ بڑے ہوے تو مکہ سے کچھ دور صحراے ضجنان مین اپنے قومی شعار سے اونٹ چرانے پر مقرر کیے گئے۔ خود حضور ہی ناقل ہین کہ مین نمدے کا کرتا پہنے دن بھر اونٹ چرایا کرتا تھا۔ والد بہت تندخو تھے ذرا بھی غافل پاتے تھے تو خوب ہی ٹھیک بناتے تھے۔ سن تمیز کو پہونچے تو صناع قدرت نے قامت مبارک کو موزونیت سے اونچا کر دیا۔ اور دراز ہوے تو عرب کے مروجہ اور شریفانہ مشاغل پر توجہ فرمائی اوسوقت عرب مین شجاعت زبان آوری نسب دانی اور تجارت کے بہت چرچے تھے۔

تحصیل علوم مروجہ

شجاعت کیواسطے پہلوانی اور فنون سپہ گری اپنی سوسائٹی مین سیکھی زبان آوری کے لیے جب ضرورتین لاحق ہوئین تو خود ہی کچھ پڑھ لیا نسب دانی کا علم موروثی تھا جسکو اپنے والد محترم سے حاصل کیا تھا تجارت مین تجربہ سفر ذریعہ معاش کی جہت سے خوب ہو گیا تھا۔ مورخین لکھتے ہین کہ حضرت عمر بہت بڑے نامی گرامی فن کشتی مین کامل پہلوان تھے۔ عکاظ مین معرکہ آرا کشتیان لڑا کرتے تھے۔ شہسوار بے بدل تھے۔ گھوڑے پر اوچھل کر سوار ہوتے تھے۔ تیراندازی مین کسی سے پیچھے نہ تھے نیزہ بازی مین ید طولیٰ تھا۔

اخلاق

ذرا مزاج کے خشک تھے۔ مزاح کو ناپسند [illegible] زمانۂ خلافت مین طبیعت کے خودایا اور رنگین ہوگئے تھے خوش طبعی ناگوار تھی [illegible] کے بہت سخت تھے درگزر کم تھی مغلوب الغضب بے انتہا تھے مگر موقع محل سے تحمل بھی مزاج کا ایک جزو ہوگیا تھا قاعدے کے پابند تھے لیکن مصلحت کے بہت تابع اور اصلاح پسند تھے

سنہ ۶۱۰ع

یعنی جب رسول اللہ نے اظہار رسالت فرمایا اور وحی
کا اعلان کیا تو حضرت عمر کا سن شریف ۳۰ برس کا ہو چکا
تھا آپ کی چھوٹی بہن فاطمہ بنت خطاب اور آپ کے بہنوئی
سعید بن زید آپ کے عزیز نعیم بن عبداللہ نے اسلام قبول کر لیا
حسن اتفاق سے خود بدولت نے تو نہیں سبقت فرمائی
لیکن آپ کی لونڈی اس دفتر میں آگے نکل گئی غرض کنیز
زیور اسلام سے آراستہ ہوگئی مالک کفر کے شکنجہ میں پھنسے
رہے۔ باوجود زنجیر کفر پاؤں میں پڑے ہونے کے جب آپ کو
کی اسلام قبول کرنے کی خبر ہوگئی تو اس نافرمانی پر
آپ رعدانہ کو بے کاری کرنے لگے۔ مگر جاہ رہی ہمت جرات
ضعیف عورت کی اس ظلم شدید پر بھی وہ جان نثار شمع اسلام
پروانہ صفت رہی   کا مستقل مزاجی نے جب انکو
شکست دی تو اب ظلم کی تلوار رسول کے لہو سے رنگین
کرنے چلے راہ میں اتفاق سے نعیم بن عبداللہ مل گئے
ان کو غضبناک تلوار بکف دیکھا تو پوچھا خیر تو ہے کہاں
چلے فرمایا آج قصہ پاک کئے آتا ہوں محمد کا فیصلہ کرنا
چاہتا ہوں نعیم نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ خود
تمہاری بہن بہنوئی اسلام لائے بیٹھے ہیں ذرا مزاج
پوچھ آؤ حضرت عمر پلٹ پڑے اور بہن کے گھر پہنچے
دروازے پر ٹھہر کر سن گن لی۔ بہن کو قرآن کی آیتیں
پڑھتے سنا جھنجھلا کر گھر میں گھسے بہن ان کی آہٹ پاکر
خاموش ہوگئی۔ فرمایا چپ کیوں ہو گئیں میں سب
سن رہا تھا۔ تم لوگ مرتد ہوگئے ہو کہکر بہن کو مارنے
لگے بہنوئی بچانے اٹھے ان سے بھی ہاتھا پائی ہوئی اس
تاؤ میں کاشانۂ رسالت پر پہنچے۔ دروازہ بند تھا
دق الباب کیا۔ حضرت حمزہ دروازہ کھولنے آئے ان کا
اسلامی تقدس اور شجاعانہ چہرہ جنگجو تیہ۔ جھلکتے شوکت ایمانیہ
سے رعب دلپر چھا گیا۔ آنحضرت نے بڑھکر معانقہ میں محبت
سے ایسا بھینچا کہ کفر کا زور ڈھیلا پڑگیا اور اسلام سامنے
لگا۔ بیساختہ کلمہ طیبہ جو مدتوں سے کانوں میں پڑا تھا
زبان سے نکل آیا۔ حاضرین صحابہ نے جوش مسرت میں
نعرہ تکبیر بلند کیا۔ دنیا بھر کی خوبیاں تو پہلے ہی سے موجود
تھیں اب دین کی دولت سے بھی مالا مال ہوگئے۔

نوٹ۔ آپ کے قبول اسلام کا جو آغاز ہے اس کو
صاحبان فہم خوب سمجھتے ہیں کہ آیا یہ عنوان حلقۂ اسلام
میں ہمیشہ رہنے سے کافی ہے یا نہیں۔ ہم ابھی حسب وعدہ
روشنی ڈالنا نہیں چاہتے۔

ہاشمی ستارے

مکہ کو جو کچھ بھی شہرت حاصل ہوئی ہے وہ
صرف تین گرانقدر جہتوں کا فیض غیر محدود ہے
پہلی جہت عظمت و وقار مکہ کی عمارت خانۂ کعبہ کی
تعمیر ہے۔ دوسری جہت شجر اسلام کی تخم ریزی
تیسری جہت تجارت۔ سنہ عیسوی کی پانچویں
صدی خلیل اللہ جناب ابراہیم کی نسل یہاں آباد
تھی قصی جن کا خاندانی لقب قریش تھا اس قبیلہ
کے سربرآوردہ با اقتدار شخص تھے۔ یہ جناب
ابراہیم سے   اور قریش سے آٹھویں
پشت میں تھے۔ خانۂ کعبہ انہیں کے وقت
وقت میں از سر نو تعمیر ہوا۔
سنہ ۴۸۰ء میں جب قصی نے
ملک عدم کا سفر کیا ہے۔ تو

خانۂ کعبہ کی خدمت اور حجاز کی حکومت اون کے
دو فرزندون عبد مناف اور ابو الدار مین کچھ نزاع
ہوکر تقسیم ہو گئی۔ آل عبد مناف خدام کعبہ کی حیثیت
سے ممتاز ہوتے رہے آل ابو الدار دو بعض تجارت
کی وجہ سے دولت مند بنتے گئے عبد مناف کے تین
فرزند تھے عبد الشمس ، ہاشم و مطلب عبد الشمس نے
اپنی حکومت ہاشم کے حوالے کر دی ۵۰۰ء مین
جب ہاشم کا انتقال ہوا مطلب ہاشم کے چھوٹے
بھائی کیطرف خدمت کعبہ منتقل ہوئی شیبہ ہاشم
کے فرزند ضرورت کے ہاتھون پہلے چچا کے غلام بنے
پھر قابلیت کی بدولت حکومت و خدام کعبہ ہونیکا
شرف حاصل ہوا سنہ ۵۲۰ء میں مطلب کی وفات
کے بعد عبد المطلب بن ہاشم سقایہ حرم محترم
اور حفاظت چاہ زمزم کے منتظم ہوئے عبد شمس کا
بیٹا امیہ جو حکومت کا بڑا حریص تھا آل ہاشم
کی عزت و شہرت کا رقیب بنا اور آل ابو الدار و بنی
مغیرہ کی مدد سے ہاشم کا حریف ہوا آل ہاشم
عزت و شجاعت مین قابل رشک شہرت حاصل
کرتے ہوئے خدائے واحد کی عبادت کرتے رہے
بنی امیہ اور اونکے ہمساز قریش جو دولت کے نشہ مین
خدا کو بھولے اور طرح طرح کی قوت والے بت
تراش کر خانۂ کعبہ کو سجا لیا باوجود اس کشمکش کے
عبد المطلب ۱۵ برس حکومت کرتے رہے عبد المطلب
کے بارہ فرزندون مین عبد اللہ جوان مر گئے وہ بھی
عالم مسافرت مین اونکی بی بی آمنہ حاملہ تھین
چار مہینے کے بعد دس یا بارہ یا سترہ ربیع الاول

پچھ دنون بعد مان کا بھی انتقال ہو گیا تو دادا نے
دائی حلیمہ سے دودھ پلوا کر پالا۔ سنہ ۵۷۹ء مین آٹھ
برس کے بعد بوڑھے دادا کا بھی سر سے بھی سایہ
اٹھ گیا تو وہ یتیم بچہ ابو طالب چچا نے آغوش
حمایت مین اٹھا لیا اور اونکی بی بی فاطمہ بنت
اسد بن ہاشم نے پال پوس کر پروان چڑھایا
طفلی مین محمد فطرتاً ایسے سنجیدہ طبع اور قوی الدماغ
تھے کہ بات بات پر بہترین صلاح دیا کرتے تھے
جوانی کی منزل پر پہنچنے کے بعد چوبیسوین سال
چچا ابو طالب نے ملک عرب کی مشہور تاجر مالدار
خاتون خدیجۃ الکبریٰ تک سلسلۂ تجارت میں
رسائی کرا دی امانت نے مدد کی راستبازی نے ساتھ
دیا حسن و خوبی دیکھ کے شادی کا باعث ہو گئی
قدرتی اسباب مہیا ہو گئے خدیجہ نے دولت سے
اعانت چچا نے اولاد سے حمایت کی ارادہ مین
روز افزون ترقی ہو گئی حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے تمام بتون
سے حسن محبت اور وحدہ لا شریک کو علی العموم قوت
دیا خدا پرستانہ لگے قریش مین ہر سے مخالف
چلی کوئی اچھا کوئی برا کہنے لگا ۱۳ رجب جبکہ
سنہ عیسوی ۵۹۹ تھا فاطمہ بنت اسد ابو طالب
کی زوجہ پورے دنون کی حاملہ تھین وہ اتفاقیہ گشت
حاصل کرنے خانہ کعبہ کے اندر گئین وہین وضع حمل
ہوا مولود نے آنکھ نہین کھولی تمام اعزا اپنی اپنی
کوشش کرتے رہے جب کہ بھائی محمد نے آغوش
مین لیا تو مولود نے آنکھین کھولدین محمد نے محبت
سے علی نام رکھا پالا اور تمام تربیت کی آخر وقت

عبداللہ کا سن چالیس برس کا تھا اپنی زوجہ خدیجہ سے بیان فرمایا کہ کوہ حرا پر مجھے خدا کی جانب سے خلعت رسالت ملا ہے۔ خدیجہ ایمان لے آئین علی نے تصدیق کی زید بن حارثہ اور ابوبکر نے سر تسلیم خم کیا کیا اکثر قریش بھی الیقین لائے مگر حضرت عمر سخت مخالف تھے پہلے مخفی طور سے اہل قریش ایمان لاتے رہے تین برس کے بعد خدا کے رسول نے علانیہ دعوت دینا شروع کی اور جماعت قریش مین سے علی کو اپنی وزارت کیواسطے منتخب فرمایا۔ مدینہ کے باشندے حسب معمول مکہ آئے تو پیمبر نے وحی کی آیتین اونھین سنائین وہ لوگ ایمان لے آئے۔ اس قافلہ کی واپسی پر مدینہ مین نبوت کے چاندکے چرچے ہونے لگے مشرکین قریش خار غم اپنے دلون مین کھٹکتا دیکھکر ایذارسانی پر تلے بیٹھے تھے مگر ابوطالب کی وجہ سے روک تھام تھی دسوین سال سنہ ۲۰ عمر مین ابوطالب خدیجہ دونون کا انتقال ہوگیا تو مشرکین موحدین کو سخت تکلیفین پہونچانے لگے رسول نے اُن کو پہلے حبشہ پھر مدینہ چلے جانیکی اجازت دی۔ مگر رسول خدا کیساتھ صرف علی اور ابوبکر رہ گئے ایک رات کو مشرکین محمدؐ کے قتل پر آمادہ ہوئے محمدؐ کو مخبر رسان نے خبر دی علی کو کچھ ضروری باتین سمجھا کر اپنے فرش پر سلایا اور خود ابوبکر کو ساتھ لیکر راتون رات روانہ ہوگئے۔ راستہ مین ایک غار مین پناہ لی مشرکین کی جانب سے سراقہ تلاش کرتا لب غار آیا۔ ابوبکر گرفتاری کے دھڑکے مین محزون ہوئے۔ محمدؐ نے پہلے جھڑکا پھر تسلی دی۔ سراقہ بھی کچھ سوچ سمجھکر واپس گیا۔ یہ لوگ بہ عافیت مدینہ پہونچ گئے علی بھی بعد تعمیل احکام آملے۔

(حقیقت وضو)

قرآن مجید کی وہ آیۂ کریمہ جس مین وضو کے متعلق حکم ہے یعنے فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق جس کے معنی یہ ہین کہ دھوو تم مونھون اور ہاتھون کو کہنیون تک ظاہر نظر مین فرقہ شیعہ اس نص قرانی کے سراسر خلاف وضو مین عمل کرتا ہے۔ اس لیئے کہ شیعہ کہنیون سے ہاتھون کو دھونا شروع کرتے ہین لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ حرف الی ہر جگہ غایت و انتہا کے لیئے مخصوص نہین ہے بلکہ بعض جگہ الی مع کے معنون مین بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مین ہے۔ من انصاری الی اللہ یعنی مع اللہ اور دوسری جگہ قرآن مین ہے لاتاکلوا اموالہم الی اموالکم یہان بھی مع اموالکم مراد ہے۔ اسی بنا پر امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل مین اس آیت کی تفسیر لکھتے وقت وضاحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وایدیکم الی المرافق ای مع المرافق اور علامہ سیوطی نے تفسیر جلالین مین اس مسلک کی اس اضافہ کے ساتھ موافقت کی ہے کہ سنت نے اس کی تائید کی ہے۔ اہلسنت کے اعاظم علما سے ابن حزم ہے جس نے اپنی تصنیف مین اہلسنت والجماعت کے اس طریق وضو کو باطل قرار دیا ہے۔ جس کا ماحصل استدلال یہ ہے کہ حرف الی بمعنی مع و من وغیرہ کے بھی آیا ہے۔ لہٰذا حرف الی کو بغیر کسی تخصیص اور بلا کسی قرینہ کے معنی انتہا غایت کے لیے مخصوص کرنا تحکم محض

[illegible]

جو لوگ مورد وضو میں انتہا کے معنون میں سمجھتے ہیں اُن سے کہا جائے کہ دھونا ہاتھ کا شانہ سے کہنی تک تمھارے واسطے زیادہ مناسب ہے اس وجہ سے ہاتھ شامل ہی شانہ سے اونگلیوں کے سرون تک اور دھونا کسی عضو کا اعلیٰ سے اسفل تک وضع طبعی و عادات انسانی کے موافق ہے لہذا جب حق تعالیٰ کسی عضو کے دھونے کا حکم کرے تو اوس کے اولٹا دھونے میں کوئی مصلحت ہو سکتی ہے میرے نزدیک ایسے استدلال دین کی توہین و لہو و لعب پر مشتمل ہیں لیکن حق یہ ہے کہ آیۂ مبارکہ دلالت کرتی ہے دھونے پر کہنیوں سے انگلیوں تک۔ یہ خلاصۂ عبارت ابن حزم ہے۔ جس سے صراحتاً اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جو طریقہ اہل تشیع میں وضو کا رائج ہے وہ اغیار کے دلوں پر بھی سکہ جمائے ہوئے قرآن مجید کی تعلیم کے موافق ہے۔

حفاظت خود اختیاری

ایک عرصۂ دراز سے متمسکین دامن اہلبیت علیہم السلام اور حسبنا کتاب اللہ کے ایمان لانیوالے مسئلہ تقیہ پر بحث و نزاع چلی آرہی ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس ندیان نادقت کے مقلدین قرآن مجید کی صدہا برس سے مخالفت کر رہے ہیں۔ باوجودیکہ علماء فرقۂ حقہ شیعہ متواتر مقامات و مختلف طریقوں سے کلام الٰہی کی روشنی میں اس مسئلہ کو پیش کر چکے ہیں و ہ اہل حقیقت تقیہ کی بہت واضح و روشن ہے مگر ان کے لئے نہیں جو آیہ ختم اللہ علیٰ قلوبہم الخ کے مصداق ہیں تقیہ درحقیقت حفاظت خود اختیاری کو کہتے ہیں جس میں حفظ جان و مال آبرو اور حفظ ایمان وغیرہ داخل ہیں یہ مسئلہ حفاظت خود اختیاری ایسا عجیب غریب نہیں ہے جسکو اہل وطن حصہ فہم سمجھ سکیں نافہموں سے شکوہ بھی نہیں وہ شخص جو فانوس دماغ میں شمع روشن عقل رکھتا ہے اسلام کے اس قانون محکم کی مصلحتوں پر نظر رکھتے ہوئے متقن قوانین کی جلالت و عظمت کے آگے سر عبودیت خم کیے بغیر نہیں رہ سکتا غور و فکر کرو کہ کیا تمھاری عقل معرض ہلاکت میں پڑنا پسند کرتی ہے باوجودیکہ نہ دنیا کا فائدہ نہ دین و مذہب کی منفعت ہو (ہرگز نہیں) اور یہی اسلام کی سچی تعلیم ہے۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ

قمر تحقیق

یہ افسانے نتیجہ خیز افسانے ہیں یہ قصے عبرتناک قصے ہیں جنپر صاحبان عقل مطلع ہونے کے بعد بہت سی اولجھنوں سے رہائی پا جاتے ہیں بلکہ یہ وہ پرزور کہانیاں ہیں کہ جن کے سامنے قلعہائے باطل آناً فاناً میں مسمار ہو جایا کرتے ہیں درحقیقت حق کبھی کسی کی معاونت کا ممنون نہیں ہوا بلکہ خود بخود باطل کے قدم اُکھڑ گئے۔ غور کرو معاویہ نے لاکھوں درہم و دینار وضع احادیث میں صرف کیے۔ لیکن یہ راز چھپائے سے نہ چھپ سکا۔ افشا ہو ہی کے رہا کہ معاویہ کے حکم سے حدیثیں گڑھی گئیں باوجودیکہ محققین اہل اسلام نے سیکڑوں ہزاروں درہم و دینار تو درکنار ایک پیسہ بھی نہیں صرف کیا نتیجہ پر جلد پہونچنے والے بخوبی سمجھتے ہیں کہ ابو الحسن مدائنی نے حرص و طمع مال و زر نے کلمات حق نہیں لکھوائے

بلکہ وہ زور حق تھا جس سے قلم کی گردش متاثر ہو کر رہی۔

یہ واقعہ اتنا مشہور و معروف ہے بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ احکام خدا و رسول میں تغیر و تبدل یا ذات خداوند جلیل اور جناب رسالتمآب پر تہمت لگانے میں معاویہ حد سے زائد بیباک تھا اور نہ اس کے حلقہ بگوش متبعین کو اس جسارت کی پرواہ تھی اور بلکہ اس قدر صفحہ روزگار نقوش اہل دیانت سے صاف و سادہ ہو گیا تھا کہ انعام و اکرام سی معمولی شے پر تعمیل حکم معاویہ فوراً کی جاتی تھی چاہے قرآن محو ہو جائے یا حدیث رسول۔

پھر نظر انصاف سے محاکمہ مطلوب ہے کہ ہم اصحاب کو کیا سمجھیں تاریخی اوراق کچھ اور اپنے دامن میں لیئے ہوئے اہل دنیا کی زبانیں کچھ اور قصے سنا رہی ہیں واقعات کو عقل کی روشنی میں دیکھنے کے بعد اس فیصلہ پر ہر ذی فہم کی قوت فہم مساعدت کرتی ہے کہ اصحاب و دین میں جدائی کی بلند دیوار حائل تھی۔

تمام واقعات کو نظر انداز کیجئے جناب معاویہ جن کے متعلق محقق ہو چکا کہ آپ سنین اکثر یا اشارۂ حکم سے خدا و رسول پر افترا کیا کرتے تھے اُن کو جو دنیا کی نگاہوں میں عزت و وقعت حاصل ہے وہ محمد ابن ابی بکر کی ذرہ برابر بھی نہیں ہے کیونکہ محمد بن ابی بکر کا قلب محبت علی ابن ابی طالب سے معمور تھا۔ اور معاویہ کے دل میں آتش عداوت بھڑک رہی تھی لہذا صاحب عداوت کو صاحب محبت پر ترجیح دیتے ہوئے خال المومنین کا معزز لقب دیا گیا۔

عمر ابن سعد سے اسلام کا بچہ بچہ اور غیر اسلام کی تاریخ دان ہر فرد واقف ہے۔ کہ کس قدر ملعونیت و قساوت قلب کا اظہار کرتے ہوئے قتل سردار جوانان بہشت میں اس نے زور لگایا ہے۔ لیکن اس قاتل فرزند رسول کو اہل اسلام نہایت راست گفتار صدق مقال کی صفت سے متصف کرتے ہیں ذرا یہ جسارت و بیحیائی قابل غور ہے کہ ابن سعد راست باز سمجھا جاتا ہے۔ لہذا جان و روح رسول سے جو کچھ مکالمات ہوئے انہیں سچائی عمر سعد کی طرف ہوگئی کہنے والا اس بات کا ذمہ دار ہے ہم تو اس کو کاذب نہیں بلکہ اکذب اور کافر اور ممدوح کافر کو کافر سمجھتے ہیں۔

اسی مقام سے اس بات پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے کہ صحاح ستہ میں صحیح بخاری سب سے زائد کیوں معتبر ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ تصنیف اہلبیت کی عداوت میں بےحد ذلیل ہے تمام راویوں کا تذکرہ قابل التفات نظر نہیں ہاں اُن رواۃ کا ذکر نتیجہ خیز ضروری البیان ہے جو کتاب کے معتقدین کے نزدیک نہایت ثقہ و معتبر ہیں راویان صحیح بخاری میں سے ایک راوی مروان بن الحکم ہے جب اُس کے باپ (حکم) کو پیغمبر نے مدینہ سے طائف کی جانب نکالنے کا حکم دیا تو یہ بھی اسی کے نقش قدم پر تھا۔ رسول نے زندگی بھر نہ اُس کا منہ دیکھا نہ اس کو مدینہ میں آنے کی اجازت دی۔ حکم کی وہ خطا جس کی وجہ سے جلا وطن کا حکم اس کو ملا اس میں اختلاف ہے بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ پیغمبر کے راز اور اسرار چھپ چھپ کر سنا کرتا تھا لیکن اسی پر اکتفا نہیں تھی بلکہ منافقین و کفار کو مطلع کر دیتا تھا جب پیغمبر کو یہ

حقیقت حال ظاہر ہوئی تو آپ نے اوس کو مدینہ
سے نکلوا دیا۔ اور بعضون نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ
آپ کی بزم جلوت کی وہ باتین جو آپ سے اور ازواج
سے ہوا کرتی تھین اُن باتون کی مختلف طریقون سے
اطلاع حاصل کرتا تھا۔ اور اُن باتون کا استہزا کی
شکل مین منافقین سے بیان کیا کرتا تھا۔ اور بعضون
نے یہ سبب بیان کیا ہے کہ رفتار رسول کی رسول
کے پس پشت آکر نقل کرتا تھا کیونکہ باطناً اُس کو
پیغمبر سے خاص عداوت تھی اور بعید حسد تھا اس لیے
العیاذ باللہ وہ تمام باتین عمل مین لاتا تھا جسے
ذات مبارکہ رسول کی سبکی ہو۔ ایک دن رسول
پر یہ فعل اُس کا ظاہر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کذلک
فلتکن یا حکم اے حکم یون ہی ہو جا۔ اس حکم کے
کے ملتے ہی اعضا نے تھری اطاعت شروع کردی
اور پھر کبھی جسم نحس مین سوائے رعشہ و جنبش
کے سکون نہین میسر ہوا۔ لیکن عثمان از سکہ
اموی خاندان سے تھے۔ جب یہ مسند خلافت
پر قابض ہوئے تو انھون نے باوجودیکہ سنت شیخین
پر بیعت کی تھی مگر دشمن دو طریدہ رسول کو اپنا
خاندانی سمجھکر بلا بھیجا یہ واقعہ صریحاً مخالف حکم رسول
تھا عہد خلافت عثمان مین یہ پہلا خط نسخ تھا جو حکم
رسول پر کھینچا گیا۔

یہی وہ غیر مہذب دریدہ دہن ہے جس
نے ولید سے مدینہ مین فرمائش کی تھی کہ حسین
جانے نہ پائین ورنہ ہاتھ نہ آئین گے اس
کے حرکات و سکنات کی وجہ سے عثمان پر جو
گذری وہ گذری تاہم بخاری اس کو اپنے
صحیح کے راویون پر شمار کرتا ہے اور نہایت
معتبر و ثقہ۔

دوسرا راوی صحیح بخاری عمران ابن حطان
خارجی ہے یہ ملعون ایمان فروش ہے جس کے
بغض و عناد کی امیر المومنین کے ساتھ یہ حد پہونچی
تھی کہ اوس نے ابن ملجم ملعون ولد الزنا کی اُس
ضرب کی تعریف و توصیف کی جو وصی خاتم النبیین
روحی لک الفدا کے سر مبارک پر لگائی تھی۔ مین
اوس کے ہذیان و دہان کفر کو ہرگز نہ نقل کرتا لیکن
اس وجہ سے نقل کرتا ہون کہ بخاری کی اُس عداوت
پر تیز روشنی پڑے جو اوس کے دل کو اہلبیت کی جانب سے
مشتعل کیے ہوئے ہی۔

مین صرف اظہار حق و فتح دین مبین کی غرض سے
بمفاد نقل کفر کفر نباشد اس خبیث النفس کے شعرون کو
سیف قلم کے حوالہ کرتا ہون اور خدا سے عجز و انکساری کے
ساتھ عفو کا طالب ہون۔ وہ ملعون کہتا ہے ؎

یا ضربۃ من تقی ما اراد بہا
الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا
انی لاذکرہ یوماً فاحسبہ
اوفی البریۃ عند اللہ میزانا

خلاصہ ترجمہ یہ ہی کہ ضربت متقی کی ضربت تھی اور
اور اس قصد سے لگائی گئی تھی کہ خدا کی رضا حاصل ہو وہ شقی
کہتا ہی کہ مین اُس ضربت کو کسی دن یاد کرتا ہون تو خیال
کرتا ہون کہ میزان عمل مین یہ سب سے گران نکلیگی۔ خدا اس
قائل کے دہن کو جہنم کے دہکتے ہوئے انگارون
سے بھرے۔ اس کا جواب امام ابو الطیب
طبری نے یون دیا ہے۔

انی لابرء مما انت تذکرہ
عن ابن ملجم الملعون بہتانا
انی لاذکرہ یوما فالعنہ
دینا والعن عمران ابن حطانا

مطلب یہ ہی کہ اے عمران ابن حطان مین اپنی برائت ظاہر کرتا ہون چیزون سے جنکو تو ابن ملجم سے حکایت کرتا ہے اور وہ سب جھوٹ و بہتان ہین مین اوس کو جب یاد کرتا ہون تو دینی نقطۂ نظر سے مین اوسپر لعنت کرتا ہون اور عمران ابن حطان پھر بھی لعنت کرتا ہون۔

قاضی حسین کو دیکھو انھون نے اشعار طبری کو دیکھکر یہ عبارت لکھی ہے۔

ہذا الذی قالہ القاضی ابو الطیب خطا خان عمران صحابی لایجوز لعنتہ۔

یعنی قاضی ابو الطیب نے جو عمران پر لعنت کی ہے وہ خطا ہے کیونکہ وہ صحابی ہے اوس پر لعنت ناجائز ہے ایسے ہی سادہ لوح طبیعت والون نے اسلام مین طرح طرح کی خرابیان پیدا کر کے اغیار کو محل اعتراض دیدیا ہے اور پھر سوائے سپرانداختہ ہونے کے کوئی حملے کے جواب بھی نہین بن پڑتا اگر یہ والاصفات عہد رسالت مین ہوتے تو ضرور فرماتے کہ آپ حکم پر لعنت کرتے ہین ہین انکا وہ صحابی ہے اور یہ فعل ناجائز ہے اس حسن ظن کی کوئی حد بھی ہے کہ محاسب صحابہ ہونے کے بعد کعبہ کے جس رکن کو چاہین ڈھادین سب انکے لیے جائز و صحیح اور کوئی بازپرس نہین ایسے صحابہ کو ہم صحابہ تسلیم کرنے کو تیار نہین

اور یہ ایسے منجمد اذہان کی تجویز کے موافق ہین۔

عصمت امام کا فلسفہ اور عقل کی تجویز

اثر کلک گہربار عالی جناب معلی الالقاب مولانا مولوی سید ندر حسن صاحب فقیہ فاضل صدالافاضل

اسلامی دنیا کا کثیر حصہ آج اس امر مین گمراہ ہو رہا ہے کہ جناب ختمی مرتبت نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ یکون بعدی اثنا عشر خلیفہ کلہم من قریش یعنی میرے بعد بارہ خلیفہ ہون گے کل کے کل قریش سے ہون گے تو یہ خلیفہ آیا معصوم ہونگے یا غیر معصوم؟

قبل اس سے کہ ہم اس شبہہ مذکور پر کوئی عقلی دلیل قائم کرین اس امر کا بھی اظہار ضروری جانتے ہین کہ آیا بعد رحلت جناب رسالتماب امت کے لیے کسی خلیفہ کی ضرورت ہے یا نہین ہے لہذا ایک تمہید قائم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے وہو ہذا۔ جناب رسول نے یہ تو بارہا ارشاد فرمادیا تھا کہ ستفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین فرقۃ کلہم فی النار الا امۃ واحدۃ۔ عنقریب میری امت کے تہتر فرقے ہوجائین گے اور کل کے کل جہنمی ہون گے مگر صرف ایک امت جنتی ہوگی اور اس جنتی امت کی تشریح یون فرمادی کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاہلیۃ جو شخص کہ مرجاوے اور امام وقت کو اپنے نہ پہچانے وہ کفر کی موت مرا اس صورت سے چند امور معلوم ہوے ایک تو یہ کہ تہتر فرقون مین وہی فرقہ جنتی ہے جسنے امام زمانہ کو پہچانا ہو

ورنہ کفر کی موت مریگا دوسرا امر یہ کہ اس امت کیلیے
امام بھی ضرور ہے اور تیسرا امر یہ کہ ہر زمانہ کا امام علیحدہ
علیحدہ ہو ہماری یہ تشقیق مذاق سلیم اور عالم علم
عربیت پر پوشیدہ نہین ہے پس لازم ہوا کہ ملت
اسلام کے پیروان ائمہ و خلفا کو تلاش کرین تاکہ
کفر کی موت سے محفوظ رہ سکین۔

ہم اس مضمون کو بہت زائد بسط کے ساتھ
لکھ سکتے تھے مگر یہ خیال کرکے کہ جسے کم فائدہ نہ پہنچا
زائد بھی کوئی فائدہ نہین دیسکتا ترک کرتے ہین
امید ہے کہ صاحبان عدل و انصاف کی نگاہ سے
ملاحظہ فرمائین گے۔

مضمون مذکور کو واضح کرنے کے لیے ایک مقدمہ
تحریر کردینا نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ تمامی اہل
عالم کا یہ طریقہ جاری ہوگیا ہے اور اسے ہم روز مرہ
دیکھا کرتے ہین اور کیا عجب ہو کہ یہ معاملہ فطرت
انسانی سے بھی کچھ تعلق رکھتا ہو کہ جب دو شخصون مین
کوئی نزاع قائم ہوجاتی ہے تو ابتداءً ہر دو فریق کی
یہی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے کو اپنے مقابل
مین شکست دیدے اور اگر نزاع نے کچھ اور ترقی کی
تو پھر کامیابی و ناکامیابی سے ترقی کرکے ہر دو فریق
یہ کوشش کرتے ہین کہ دوسرے مخالف کو فنا کردین
لیکن اگر نزاع نے اس سے ترقی حاصل کی تو تیسرا
درجہ یہ پہونچتا ہے کہ ایک دوسرے کے نام و نشان
باقی رہنے کو بھی گوارا نہین کرتا اور اگر نزاع اس سے
بھی زائد دلنشین ہوگئی تو ذات خصم سے متعدی
ہوکر خصم کے اہل وعیال و اعزا سے متعلق ہوجاتی
ہے اور اگر جنگ نے اور زیادتی پیدا کی تو پھر ہر دو
خصم یہی چاہتے ہین کہ خود مقابل اُسکے متعلقین
اہل وعیال، مال و جائداد حتی کہ تابعین و نام لیوا
کوئی بھی باقی نہ چھوڑا جائے تاکہ خصم کا کسی طرح
سے صفحۂ ارض پر نام باقی رہنے نہ پائے مختصر یہ کہ
جس قدر نزاع کی صورت زائد و راسخ ہوتی جاتی
ہے اتنا ہی ذیل و دامن تفتینہ وسیع ہوتا جاتا
ہے یہ روز مرہ کے واقعات ہین۔

اب اس مقدمہ کے بعد آپ غور فرمائے کہ خود
ابلیس و گروہ ابلیس کی نزاع نوع انسانی سے
کب شروع ہوئی اور کیون اور وہ نزاع کیسی
تھی اور کیونکر زائد ہوئی اور کس حد تک پہونچی۔

ابلیس نے جو نزاع کی بنیاد ڈالی وہ ایسا وقت
تھا کہ عالم وجود مین آنے والی ذاتین حیز عدم سے
حرکت کرکے درجۂ تقرر کو پہونچ چکی تھین اور صبح
خلافت عنقریب اپنے درخشان نیر سے منور ہونیوالی
تھی۔ ابلیس جیسا معلم ملکوت فرشتہ ہجوم ملائک
مین بیٹھا ہوا عرصہ دراز سے عبادت خالق مین مشغول
تھا کہ یک بیک اصل کو نقل سے اور حقیقت کو مجاز
سے علیحدہ کرنے والا حکم ربانی انی جاعل فی الارض
خلیفہ کا لباس پہنے ہوئے ظاہر ہوا۔ پھر کیا تھا وہ تمامی
وحدانی الصفت فرشتین مستعد ہوگئین اور خالق عالم
نے اپنے ہاتھون سے بنائے ہوئے خلیفہ کی عزت و
وقار کو بڑھانے کے لیے دوسرا فرمان جاری کیا
(فلما نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین) ابکیا
تھا گروہ ملائکہ اگرچہ یہی نوع آدم کو اپنا ہمرتبہ
نہ جانتا تھا مگر تعمیل حکم باری کی غرض سے سجدے
مین جھک گیا مگر ابلیس جس نے بمقابلہ حکم تعبدی

قیاس کو عمل مین رہبر رکھا یہ کہکر علحدہ ہو گیا کہ
خلقتہ من طین و خلقتنی من نار) آخر کار نتیجہ
کہ جلس و دام کی دفعہ عائد ہو گئی اور پروانہ باری
جاری ہو گیا فاخرج منہا انک رجیم الی یوم الدین)
یہ ابتدائی بنیاد تھی ابلیس و بنی آدم کے نزاع کی
لیکن عموماً نزاعون مین یہ ہوا کرتا ہے کہ اولاً تخفیف
سے شروع ہو کر آخر مین ترقی کرتی جاتی ہے لیکن
یہ ابلیسی نزاع نہ معلوم کس وقت سے پرورش
پا رہی تھی جس کی بنیاد ہی خالق عالم کی نافرمانی
پر قرار پائی اور اب آیندہ نہ معلوم کس حد کو جا پہونچے
گی مفسرین نے یہ ضرور لکھا ہے کہ جناب آدم کے
خاکی پتلے کی خمیر جبکہ عرصہ دراز تک پڑی رہی اور
یہ ابلیس اودھر سے گذرا کرتا تھا تو یہ کہتا تھا کہ اہذا
الذی کرمت علی خداوند اگیا تو اسی پتلے کو مجھپر مکرم
کریگا لیکن یہ انھون نے نہ لکھا کہ آخر ابلیس نے
جناب آدم کو کرم اللہ کا خطاب کیون دیا حالانکہ
یتان سنگلاخ اسوقت تک پیدا بھی نہین ہوے
تھے لیکن ہان اگر فخر کا مقام ہے تو مجہین علی کے
لیے کہ انھین یہ خطاب خود مجمع رسل و لا ستین دیا
اور علم اسنے تار ہان بنی آدم ابلیس کی ابتدائی
دشمنی ہی ایسی بے پایان تھی جسنے اپنے ہزارون
برس کے کارنامے پر پانی پھیر کر ہمیشہ کے لیے جہنم
خرید کر لیا اب ہماری سمجھ مین بات نہین آتی کہ جیسی
عظیم ابتدا کی انتہا کیا دکھا مین اور کیونکر دکھائین
اور کہان تک دکھائین! ہماری عقل تو دنگ ہے
مگر خیر اتنا ضرور ہے کہ اس ناری پتلے کی دشمنی مین
بھی مثل آگ زیادتی ہوتی گئی اور اس زیادتی کا

پہلا نقصان یہ ہو پچا فازلہما الشیطن و اخرجہما
کانا فیہا یہ جناب آدم ہمیشہ کے لیے جنت سے علحدہ
کر دیے گئے حوا سے جدائی ہو گئی کئی سو برس
تک آنکھون سے آنسو بہایا کیے یہ نزاع کی پہلی
نتیجہ خیز منزل تھی پھر تو گمراہی دن بدن بڑھتی
گئی اور انبیا بھی اس گمراہی کے انسداد کے لیے
پیدا ہوتے گئے تا اینکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار
نبی پیدا ہوے اور اتنی ہی درجہ نزاع ابلیس
مین زیادتی ہو گئی کیونکہ یہ تو ہدایت و گمراہی کا
تقابل تھا چنانچہ ابلیس نے بھی اس اپنے
سعی کا اظہار درگاہ احدیت مین کر دیا تھا رب بما
اغویتنی لازینن لہم فی الارض و لاغوینہم
اجمعین یعنی پروردگارا چونکہ تو نے مجھے راستہ
سے الگ کیا مین بھی بنی آدم کے لیے دنیا مین
مزین کرون گا اور ان سب کو یقیناً بہکاؤن گا
مگر تیرے مخلص بندے یہ ابلیس کا ظاہر کرنا بھی
حق اس لیے تھا کہ اسنے ایک زمانہ تک عبادت
کی تھی پس اسنے بدلہ چاہا خداوند عالم نے
بھی اسکے عبادت کا بدلہ دیا اور چونکہ بنی نوع
انسانی کو بے پایان ہادیون سے ہدایت کرنے
والا تھا اور ہر فرد انسانی کو ایک رسول باطن
بھی جسے عقل کہتے ہیں جو اچھی بری شے مین تمیز کرتی
ہے) ہین مرحمت کر دی پس موافق عدل و انصاف
معلوم ہوا کہ بندون کا بھی امتحان لیلے چنانچہ
ابلیس کو دنیا مین ہر طرح قدرت دیدی اور انبیا کے
ذریعہ سے اسکی گمراہی سے آگاہ بھی کر دیا
اب امتحان شروع کیا اسی کی طرف اشارہ ہوا ہے

کہ اہی رسول آیا لوگ یہ گمان کرتے ہین کہ صرف
آمنا کہدینے سے چھوڑ دیے جاینگے اور اُنکا امتحان
نہ لیا جائیگا، یہ استفہام انکاری ہی یعنی ایسا ہرگز نہوگا
بلکہ شیطان کے وساوس کے ساتھ ان لوگونکا امتحان
بھی ضرور ہوگا اب جب ابلیس کو کچھ امید وابستہ ہوئی
تو اسنے دوسرا عراضیہ داخل کیا فبعزتک لاغوینہم
اجمعین الا عبادک منہم المخلصین تیرے عزت و جلال
کی قسم مین کل کو گمراہ کرونگا مگر صرف خاص بندے بچ
رہینگے مفہوم یہ ہی کہ ابلیس نے اپنے اس ارادے کو عزت و
جلال پروردگار عالم کی قسم کھاکر مستحکم و مضبوط
کردیا کہ مین کل بنی آدم کو بنی آدم کو حتمی و یقینی گمراہ
کرونگا پس جبکہ خداوند عالم نے ابلیس کی اسقدر
تیاری و ضد دیکھی تو حکم باری ہوا کہ ہم بھی حق بات
کہدیتے ہین اور حق ہی کہا کرتے ہین کہنا بھی ہون کہ تجھ سے
اور جو لوگ تیری تابعداری کرینگے ان سب سے جہنم کو
بھردونگا۔ غرضکہ پورے تفصیلی واقعات مجھے لکھنے
ضروری نہین صرف اتنا امر دکھانا تھا کہ ابلیس نے
کل بنی آدم کے بہکانے و گمراہ کرنیکی اجازت لیلی اور
اس گمراہی سے بجز چند لوگون کے اور کل متاثر ہونگے
اب مین آپکو کل واقعات گذشتہ پھر یاد دلاتا ہون
کہ ایک طرف پہلی ہی منزل دشمنی اسقدر عظیم اور پھر
اُسپر جتنے انبیاء آتے گئے اور اضافہ ہوتا گیا اور دوسری
طرف یہ بھی واقعہ وقوع مین آیا کہ ابلیس جو کہ پہلے
افلاک ہفتگانہ کی سیر کرتا تھا اور غیب کی باتین
معلوم کرکے زمین پر آتا اور لوگون کو بہت زائد گمراہی
مین ڈالتا تھا وہ حضرت عیسی پیدا ہوئے اور دو چار
فلک کی سیر سے روکدیا گیا پس علی الخصوص و کل

منازل دشمنی مذہب عیسوی کی طرف منجر ہوئے
تا اینکہ جسوقت جناب ختمی مرتبہ کی ولادت باسعادت
وقوع مین آئی اور عالم مین عجائبات ظاہر ہونے
لگے تو ابلیس کو بہت تردد گذرا کہ یہ کیا معاملہ ہی؟
اسنے اپنے شاگردون کو اطراف عالم مین مخبری کیلیے
روانہ کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا آخرکار خود نکلا تمام عالم مین
چکر لگایا کچھ نہ پایا لیکن جسوقت مدینہ منورہ مین
پہونچا تو کیا دیکھتا ہی کہ فرشتون کا ہجوم ہے بہت
کوشش کی کہ اندر داخل ہوکر بیت الشرف
جناب رسول پر پہونچے مگر نہ جا سکا اب تو اور بھی
پریشانی زائد ہوئی اسی تحیر کے عالم مین جبرئیل
کے پاس پہونچا اور پوچھا کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ
ایسے ایسے عجائبات کا ظہور ہورہا ہی جبرئیل نے کہا
کہ خاتم الانبیاء کا وجود ذیجود ہوا ہے اب تم پر نبوت
و رسالت ختم ہی اُسوقت ابلیس نے جلدی سے
پوچھا کہ کیا میرا دسترس ان پر ہوسکتا ہی؟ جبرئیل نے
جواب دیا کہ بالکل نہین! بہت ہی مغموم ہوا
پھر عمدید ہوکر یہ پوچھا کہ انکی امت پر میرا دسترس
ہوگا اُسوقت جبرئیل نے کہا کہ ہان تو بہت خوش
ہوا اور بہت اسکا کچھ کم ہوا۔ غرضکہ اس اپنے چکر
مین اُسے یہ امر معلوم ہوگیا کہ اب یہ آخری رسول
ہین انکی شریعت قیامت تک رہیگی اور چونکہ یہ
آخری نبی ہین لہذا ان کی ہدایت بھی ماسبق کے
انبیاء سے بدرجہا زائد سخت ہوگی لہذا اب مجھے
بھی پوری طرح سے آمادہ رہنا چاہیے اور اس
طرف دوسرا طرفہ یہ ہوا کہ اب جو بقیہ تین فلک پر
جانا چاہتا ہے تو فرشتے گرز لیکر مارنے دوڑتے ہین

سمجھ گیا کہ بقیہ آسمان پر بھی جانے سے ممانعت ہو گئی
اب تو دشمنی کی آگ بہت ہی زائد ہو گئی جس کی
انتہا اتنی سخت بھی آپ خیال کرسکتے ہین کہ اب
یہ انتہا کس حد تک ہو گئی اور پھر یہ بھی معلوم ہو چکا
ہے کہ جناب ختمی مرتبہ پر بھی کوئی دسترس نہین ہے
غرضکہ جناب رسولؐ کو عہدہ رسالت مرحمت
ہوا اور ہدایت شروع ہوئی اس ذات الا الصفات
نے اپنے ۲۳ ہی برس کے عہد مین ایسی تبلیغ و
کامل ہدایت کی کہ اگر دیگر انبیاء کے سیکڑون
برس کی عمر و ہدایت مین معدودے چند ہدایت
پا گئے تھے تو اس رسول عربی روحی لہ الفداء
کی اسقدر کم مقدار ہدایت مین بھی وقت وفات
ایک لاکھ تو صحابہ چھوڑے اور آج ہدایت سے
یہ اثر پیدا کیا کہ اطراف عالم مسلمانون سے بھر گیا
اب کیا تھا جتنی ہی اس ختمی مرتبہ کی ہدایت تبلیغ
رہی اتنی ہی ابلیس کی دشمنی بھی حد لا تحصی کو
پہونچ گئی اور جس طرح یہ آخری زینہ نبوت کا تھا
اسی طرح اب ابلیس کی دشمنی کا بھی آخری ہی
زینہ ہوگا اور ابتداء خلقت سے لیکر آج تک جتنی
درجہ دشمنی بڑھی کل کا مرجع اب تو ملت اسلامیہ
ہی رہگیا لہذا آپ حضرات ان کل امور کو پیش
نظر رکھین اب مین ایک معاملہ پیش کرتا ہون
وہ یہ کہ ادھر تو ختمی مرتبت کی تبلیغ و آخری ہدایت
جو قیامت تک باقی رہے گی اور ادھر ابلیس
کی انتہائی گمراہی اور جان توڑ کوشش مگر
چونکہ جناب رسول حیات سے تھے اس لیے
ابلیس کا پورا تسلط نہو سکا لیکن ادھر رسولؐ

عربی کا انتقال ہونا تھا کہ اب ابلیس کو پورا
موقع دشمنی کے برتنے کا مل گیا گویا اگر اسلام
آخری دین خدا کا تھا اور تبلیغ ہدایت سے
نشوونما پایا تھا تو اب اتنا ہی عظیم گمراہی کے
جھونکے بھی اٹھانے پڑے اب تو ابلیس آزاد
ہے جس طرح چاہے گمراہ کرے اور جس حیثیت
سے چاہے بدلہ لے۔ اس مقام پر اگر کوئی شخص
یہ شبہہ نہ پیش کرے کہ جناب رسولؐ کی ہدایت
و تبلیغ ایسی کامل و مکمل تھی کہ آپ کے مرنے
کے بعد بھی وہ ہدایتین رہبر ہو سکتی ہین اور
انسان ہرگز جادہ شریعت جیسے صراط مستقیم سے
ہین اس سے علیحدہ نہین ہوسکتا تو ہم اس کا
جواب دینگے کہ میرے محترم دوست آپکو خبر بھی
ہے صراط مستقیم ہی پر چلنے والے تو گمراہ
کیے جائین گے! ذرا عقل سے کام لیجیے بغور
تو کیجیے جو لوگ کہ خود صراط مستقیم پر نہین ہین
وہ تو خود گمراہ ہین انھین ابلیس گمراہ ہی کیا کریگا
بلکہ گمراہی تو اہل اسلام ہی کے لیے ہوسکتی ہے
اسی لیے تو جناب رسولؐ نے فرما دیا تھا کہ میرے
بعد تہتر فرقے گویا کہ ابلیس کی سازش سے
پیدا ہو جائین گے مگر کل کے کل جہنمی ہونگے
ہان ایک فرقہ البتہ جنتی ہوگا جس نے امام
زمانہ کو پہچانا ہوا کیا آپ قرآن نہین پڑھتے ذرا
ابلیس کے اس مقولے پر تو غور کیجیے وہ کہتا ہے
کہ خداوندا جس طرح تو نے مجھے راستہ سے
الگ کردیا تو ہم بھی بنی آدم کی گمراہی کے لیے
تیرے صراط مستقیم پر جا بیٹھین گے اور پھر

سامنے سے بھی آئینگے بائیں سے بھی آئینگے سامنے
بھی آئینگے پیچھے سے بھی آئینگے آخرکار تو
ان میں سے اکثر کو شکر نہ پائیگا! کیون میرے
محترم دوست اب تو ابلیس نے آپ کی امید پر
پانی پھیر دیا وہ کہتا ہے کہ صراط مستقیم ہی پر چلنے
والوں کو بہکاؤں گا۔ اور سچ بھی ہے جو لوگ اس
سے الگ ہیں وہ تو خود بہکے و گمراہ ہیں ہاں یونہی
طاقت نزاع و دشمنی کی اب تو صراط مستقیم ہی
والوں سے ہے لہذا اگر وہ اسلام پر لازم ہے کہ وہ
اس فرقۂ ناجیہ کو جو امام زمانہ کا عارف ہے ادسے
دیکھیں کہ کون ہے اگر آپ سمعی حیثیت سے بلکہ
عقلی رتبے اور انصاف سے دیکھنا چاہتے ہیں
تو ہم سے پوچھیے اور سنئیے! بعد رحلت جناب رسول
ابلیس کی پوری کوشش اسلام کی گمراہی میں
لگی اب اس مقام پر ہم ناظرین مضمون ہذا پر دو
فرقوں کو پیش کرتے ہیں ایک وہ گروہ جسے شیعہ
کی لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرا وہ گروہ جسے
اہل سنت سے اطلاق کرتے ہیں اعتقادی و مذہبی
حیثیت سے ان دونوں فرقوں میں یہ فرق ہے کہ
دوسرا فرقہ اسلام کے لیے ایسا رہبر و خلیفہ مقرر کرتا
ہے جو خاطی و گنہگار فی الفعل ہے اور اس کا اعتراف
بھی کرتا ہے کہ فلاں و فلاں و فلاں خاطی تھے جیسا کہ
آئندہ ہم ان ہی کی کتابوں سے خطاؤں کو پیش
کرینگے اور پہلا فرقہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے لیے خود
جناب رسول نے امام مقرر کر دیا تھا جو مصداق
انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت
یعنی اے اہل بیت رسول خدا یہ ارادہ کرتا ہے

کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور کر دے جو حق
دور کرنے اور ظاہر کرنے کا ہے۔ معلوم ہے
جس سے کسی طرح اور وقت میں خطا سرزد ہی
نہیں ہو سکتی ہم ہر دو فرقوں کے رہبر کے مختصر
حالات اسی مضمون سے مناسب کھکر آئندہ
انشاء اللہ ہدیۂ ناظرین کرینگے لیکن یہاں فی الحال
اتنا دکھانا مقصود ہے کہ جب اس صراط مستقیم
یعنی اسلام کے دو رہبر ایک بالکل گناہوں سے
معصوم اور دوسرا خاطی و گنہگار بنایا گیا تو
اب ناظرین ارشاد فرمائیں اور عدل سے کام
لیں کہ شیطان اپنی گمراہی کی کوشش کسی خلیفہ
کے پیچھے لگا اس لیے کہ ہر معمولی عقل بھی سہل
صورت کے ہوتے ہوئے سخت کو نہ اختیار کریگی
پس جب سہل صورت یہاں گمراہی اسلام
کے لیے یہ ممکن ہے کہ خلیفہ جو آخر خاطی و
گنہگار ہی ہے اسی کو بہکا دو کہ تمامی اسلام
گمراہ ہو جائے الگ الگ ہر ہر فرد اسلامی
کو گمراہ کرنے میں تو عرصہ درکار ہے اور پھر ابلیس
ایسا موقع کاہے کو جانے دینے لگا یہ تو تمامی
انسان سے چالاک و مکار ہے ایسے ایسے امور کرتا ہے
جو خود عقل انسانی نہیں سمجھ سکتی پس اس جیسے خلیفہ
ہی کو گمراہ کر دینا سہل ہے بخلاف دوسرے فرقہ
کے کہ وہاں تو امام و رہبر اسلام معصوم ہے پس
وہ کسی طرح گمراہ نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ معصوم
کے اقوال کی اگر پیروی کی گئی تو تابعین بھی گمراہ
نہوں گے اسی لیے ہم اہل تشیع کے یہاں اقوال
معصوم کو سمجھنے کے لیے احسلم فالاعلم کی قید ہے

اسی لیئے ہم لوگ ہر زمانہ مین ایک نہ ایک امام کا
وجود جو کہ معصوم ہو ضروری جانتے ہین تاکہ گروہ
شیعہ گمراہی سے محفوظ رہے۔ (باقی آئندہ)

حل تقدیر و فلسفۂ تقدیر

یون تو نعمتہائے آلٰہی کی بہترین نعمت "عقل"
وہ جوہر مجرد ہے جو ذخار سے زخار دریا ر غور و فکر
مین غوطہ لگا کر حقایق و معانی کے انمول موتیون کو
نکالنے اور مضمون شناس جوہریون کے بازار مین
لا کر سستے دامون پر لٹا دیتا ہے۔ ظرف دماغ
کے اندر محدود مقام پر بیٹھا ہوا یہ واحد جوہر ہفت اقلیم
کی سیر اور ہفت افلاک کی سیاحت مین مشغول
رہتا ہے۔ ایک ایک مظہر سے متعدد مضمونون کو
اختراع کرنا اور متعدد مضمونون کو متحد مظہر مین
سمو دینا اسی جوہر واحد کا فعل ہے ورنہ انسان
جیسی ناچیز ہستی اور حکیم کادر مطلق و قادر و علیم
کل کے موثرات کا اندازہ کرے؟ بہت
محال ہے۔
مسئلہ قضا و قدر وہ اہم و دشوار مسئلہ ہے جس کی
سختی و دشواری پر نظر کر کے ائمہ ہدیٰ نے اس
مین غور و فکر کرنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔
لیکن تسکین خلق کی خاطر علماء اعلام نے پھر بھی
اس مسئلہ کی وضاحت سے دریغ نہین فرمایا۔
بنا بر علیہ حالات مین کو ملحوظ کر کے حقیر نے بھی
گذشتہ سال کے کسی اصلاح مین ایک طویل
بحث مسئلہ مذکورہ سے متعلق ہدیۂ ناظرین
کیا ہے۔ لیکن اس ناندیشی زمانہ مین طلم لناس
علی قدر عقولہم کی مثل کو پیش نظر رکھکر پھر چاہتا
ہون کہ ایک اور واضح و روشن مضمون مسئلہ
مذکورہ پر ہدیۂ ناظرین کرون جو کہ بہت زائد
مانوس ہو امیدوار دعاء خیر ہون۔
ہمیشہ سے جو شبہ مسئلہ مذکورہ کے متعلق چلا آرہا
ہے اور فی زماننا عامۃ البلوا ہوگیا ہے وہ یہ
ہے کہ وہ جب لوح محفوظ مین علم و حکم آلٰہی کے
مطابق تمام آیندہ ہونیوالے امور ہر ذوات کے
متعلق نقش ہین تو بعد ایجاد ذوات مذکورہ علم
آلٰہی کے مطابق اُن اُمور منقوشہ کا صدور ذوات
مذکورہ سے لازم ہے ورنہ علم آلٰہی سے تخلف لازم
آئیگا پس اب یہ ذوات مجبور ٹھہرے۔ فما الجواب
اولاً اس امر کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے
کہ ایک ماہیت و حقیقت کی متعدد تعریف کرنا
اس وجہ سے ممکن ہے کہ حقایق و ماہیات اشیاء
کا وجود ذات باری سے ہوا ہے جس کی قدرت
وغیرہ کل صفات غیر متناہی ہین اور تعریف و وضع
الفاظ بمقابل حقایق و معانی فعل انسانی ہے۔ جو
کہ محدود و متناہی اوصاف سے متصف ہے
پس حسب عقل و فہم تعریفات مین تفرقہ لازم
ہے۔ کیونکہ انسان جیسی محدود ذات غیر متناہیہ
غیر متناہیہ کا احاطہ کریگی بہت محال ہے اسی
لیئے جو کچھ کہ تعریف کسی حقیقت کی بھی پیش کی جاتی
ہے کوئی نہ کوئی نقص اس تعریف مین ضرور
پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے شیخ الرئیس
نے ایک مقام پر تحریر کر دیا ہے کہ حقایق اشیاء
کی تعریف کما حقہ بجز ذات باری کے کوئی

نہین کر سکتاہے۔ کیونکہ ماہیت کا علم کما حقہ
ہرگز کسی انسان کو بھی حاصل نہین ہے۔ لیکن تاہم
عقل انسانی اتنا تسلیم کرنے کے لیئے ضرور آمادہ
کہ وہ تعریف و معنے جو کہ عود الفاظ کی دلالت
سے پیدا ہوتے ہون۔ بہ نسبت دوسرے
معنون کے زائد تر قابل یقین و محل ہین جس طرح
مثلاً لا تقل لھما اُف الخ کے معنے مان باپ کی تعظیم
کرو اُن کی فرمانبرداری کیا کرو۔ ان کو مارو نہین
وغیرہ لینا اگرچہ صحیح و معنے مطلوبی ہوسکتے ہین مگر
"مان باپ کے مقابل اف بھی منکرو" یہ معنی
بوجہ دلالت لفظ کے زائد تیقن و معتمد ہین۔

بعد مقدمہ گذشتہ خیال کرنا چاہیئے کہ
کہ مقدر بفتح الدال اسم مفعول ہے۔ مادہ قدر
باب تفعیل سے معنے اُس کے اندازہ کے ہوئے
ہین۔ یعنی وہ محصلات علمیہ جو کہ بعد وزن حاصل
ہون پس اندازہ کرنے کے لیئے تین چیزون کا
وجود اولاً ہونا نہایت ضروری ہے۔ شئے
موزون، آلہ وزن و وزن کرنیوالا اب بعد
وزن جو حاصل وزن کہ شئے موزون کا معلوم
ہو۔ اُس کو مقدرات و موزونات کہتے ہین
یعنی ان مقدرات و موزونات کا درجہ وجودی
بعد کو ان ہرسہ وجودی ذات کے ہے اس
مقام پر وزن وزن کرنیوالا ذات باری تعالیٰ
ہے آلہ وزن علم الٰہی ہے اور شئے موزون
مخلوقات الٰہیہ ہین پس ان ہرسہ ذاتون کے
کے بعد جو محصلات وزنیہ کے حاصل
ہونگے اُنھین کا نام مقدرات ہوگا پس

اس تقریر کے بعد اب وہ شبہ کہ یہی مقدرات
الٰہیہ تو بندون سے صدور مقدرات کے
باعث ہوتے ہین۔ کیونکہ مقدرات سابق ہین
اور ذوات کا وجود بعد کو ہے کہنا غلط ہوجائیگا
کیونکہ مقدرات کا وجود تو ہرسہ ذاتون کے بعد
ہوا کرتا ہے۔ ہان جو شبہ جدیدہ کہ اب اس مقام
پر وارد ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ذات باری
و علم باری جو کہ وازن و آلہ وزن ہے وہ تو
ہمیشہ سے موجود تھی مگر مخلوقات الٰہیہ جو کہ
بعد کو حدوث مین آئی ہے آخر وہ کہان ازل
سے موجود تھی جس کی وزن کرکے اُنھین حاصلات
وزنیہ کا نام مقدرات رکھا گیا؟

تو ہم اس کا جواب یہ دیتے ہین کہ وجود
کی دو حیثیتین ہین ایک وجود خارجی جس طرح
کہ اس وقت فی الحال ذوات و حقایق کا وجود
اور دیکھنے مین آتا ہے۔ اس قسم کا وجود تو البتہ
وقت تقدیر و توزین نہ تھا لیکن وجود کی دوسری
حیثیت یعنے جس کو بہ عبارت اخریٰ موجودات
علمیہ سے تعبیر کرسکتے ہین۔ یقیناً اُن تمام مخلوقات
و ذوات و حقایق کے لیئے ضرور ثابت تھی
جس کی تقدیر و توزین کرکے باری تعالیٰ نے
مقدرات معین فرمائے بلکہ یون کہون کہ اُنھین
موجودات علمیہ کے حاصل اوزان کا نام مقدرات
رکھا گیا جو بہ عبارت اخریٰ علم باری کہے جاتے
ہین۔ اس گذشتہ تقریر کی وضاحت کے لیئے
مندرجہ ذیل امرون کا دیکھنا نہایت
ضروری ہے۔

پہلا امر - چونکہ خداوند عالم کی ذات تمام
علتون کی علت ہے اور خود خداوند عالم اپنی ذات
کا عالم ہے پس خداوند عالم دیگر تمام علتون کے
ذوات کے افعال واحوال سے بھی یقیناً واقف
ہوگا مثلاً خداوندعالم اپنے علم کامل کے ذریعہ
سے یہ جانتا تھا کہ زید مثلاً فلان فلان والدین فلان
سرزمین پر پیدا ہوگا اس قسم کی صحبت مین پرورش
پائیگا یعنے علم باری تعالی مین زید کے تمام عوارضات
خارجیہ وداخلیہ کل موجود تھے ونیز اُس کے
مادہ فطرت سے بھی واقف تھا پس ان کل اسباب
کے حاصل ہو نیکے اب بعد خلقت زید جو جو
افعال واحوال کہ زید سے متعلق ہون گے
بذریعۂ اُنھین اسباب موجودہ کہ خداوند عالم
کو اُن کل موثرات کا علم حاصل ہو سکتا ہے پس
اُنھین موثرات محصلہ کا نام مقدرات ہے۔

دوسری مثال اگر کوئی شخص کسی مرکب
دوا کو تیار کرے یا یہ کہ تیار کرنے کا ارادہ
کرے یا کسی دوسرے شخص نے تیار کرنے کا
ارادہ کیا ہو یا کر چکا ہو۔ غرضکہ جو طریقہ
بھی مفروض ہو بہر طور اس دوائے اجزا
سے اگر کوئی شخص واقف ہوگا اور اُن اجزا
کے اثرات کو بھی جانتا ہوگا تو شخص مذکور یہ ضرور
یقین کرلے گا کہ اس قسم کی دوا جس کے یہ یہ اجزا
ہون گے جس جگہ بھی استعمال کرائی جائیگی ہر ہر جزو
اپنے اثر کو ضرور ظاہر کرے گا ونیز جو جو جزو
کہ کم یا زائد جس طرح ہوگا اُسی کمی و زیادتی کے
حساب سے اُس کے اثرات بھی ظاہر ہون گے

پس اسی طرح جبکہ خالق عالم مثلاً خلق کے ہر ہر فرد
کے اجزائے تکوینیہ وعوارضات خارجیہ وداخلیہ
کل کا علم رکھتا تھا تو بعد فرض تقریر ہذا کے پھر
کیا وجہ ہے کہ خداوند عالم اُن اجزا کے اثرات
وعوارضات کا عالم نہ ہو؟ ہرگز نہین ہوسکتا
محال ہے۔

امر دوم - علاوہ برآن جبکہ خداوند عالم
کی ذات قدیم، ابدی وسرمدی ہے- اور چونکہ
اُس کے اوصاف کل کے کل عین ذات ہین پس
اوصاف بھی بنا برعلیہ ابدی وسرمدی ہون گے
اور منجملہ صفات باری تعالی کہ ایک علم باری تعالی
بھی ہے- پس وہ بھی ابدی وسرمدی ہوگا یعنے
زمانۂ ماضی بلکہ اُس سے بھی پہلے، زمانہ حال اور زمانہ
آیندہ بلکہ اُس سے بھی بعد غرضکہ کل چونکہ ذات
باری تعالی کے اعتبار سے واحد ہے یعنی یہ تفرقہ
زمانہ ماضی ومستقبل اس ذات باری کے لیئے ہرگز
نہین ہے۔ بلکہ اُس کے لیئے تو کل اشیا و کل زمانہ
بالکل ظاہر ہی ظاہر ہے- پس کل مخلوقات جو کہ
بعد کو وجود مین آنیوالے ہین اُن کے ذوات
واحوال وافعال وغیرہ بھی عند الباری ظاہر ہی
ہون گے- لہذا اُنھین احوال وافعال جو کہ بعد کو
ایجاد ذوات کے حادث وظاہر ہون گے اُنھین
کا نام مقدرات ہے۔

اب یہان پر چند ضروری شبہون کا جواب
بھی دینا ضروری ہے- مقدرات لوح محفوظ کی
طرف منسوب ہین اور لوح محفوظ علم الہی کا نام
ہے۔ پس مقدرات بھی علم الہی کا نام ہوگا [illegible]

وہان پر نہ تو کوئی کاغذ ہے نہ قلم نہ تختی جو کہ حکم الٰہی
کے بموجب ملائکہ وہ دیگر ذریعے امور محکوم الیہ
کو نقش کرتے بلکہ حقایق اشیا، کا وجود علمی جن کا محل
علم باری ہے یعنی وہ علم باری مین منعکس ہین
انھین کے مصلات موزونہ و مقدورہ کا نام
مقدرات ہے۔

اب رہا یہ شبہ کہ اُن منسوب الیہ یعنی ہر دو ذوات
کا وجود اولاً اور پھر مصلات موزونہ کا وجود
ثانیاً فرض کرنا درانحالیکہ ان ہر دو کا تعلق علم باری
تعالیٰ ہی سے ہے فرض کرنا لازم کرتا ہی کہ وہی شے
واحد یعنی علم باری تعالیٰ باعتبار ذوات و حقایق
ہونے کے پہلے اور باعتبار مصلات موزونہ علمیہ
ہونیکے بعد کو موجود تسلیم کیا جائے اور شے واحد
کا مقدم و موخر موجود ہونا عقلاً محال ہی؟ جواب
اُس کا یہ ہی کہ یہ تفرقہ و اختلاف تو جب ہی
مفروض ہو سکتا ہے کہ اُن ہر دو ذوات و مصلات
موزونہ سے کسی کا بھی وجود خارجی فرض کیا جائے!
ورنہ وجود علمیہ مین کوئی خرابی لازم نہین آسکتی
کیا آپ نہین دیکھتے ہین؟ شے واحد جس طرح
مثلاً جہت ہی کہ وہی ایک جہت اُن لوگون
کے اعتبار سے تحتانی کہی جا سکتی ہے جو لوگ کہ اُس
کے اوپر ہین۔ اور نیچے رہنے والون کی اعتبار سے فوقانی ہے
بھی۔ پس اسی طرح علم باری تعالیٰ بھی ذوات و
حقایق اشیاء کے اعتبار سے مقدم اور ان کے
عوارض و احوال جو بعد وجود ذوات کے متعلق ہوتے
ہین موخر فرض کیا جاتا ہے۔ اور اس فرض مین
کوئی قباحت و خرابی نہین ہی! کیونکہ اس قسم کا
تقدم و تاخر مسلم و متحقق ہے جیسے طرح دست
کاتب کے لیے باعتبار ذوات تقدم طبعی حاصل ہے
حرکت قلم و نقش پر ورنہ ہر دو فعل کا حدوث ساتھ
ہی ساتھ ہو رہا ہے۔ ان تفرقہ و اختلاف مذکورہ
کی خرابی اُس جگہ البتہ بُرائی پیدا کرسکتی ہی۔ جہان
کہ تقدم زمانی اور وجود خارجی فرض کیا جائے نہ کہ
اس جیسے مقام پر۔

جواب دوسرا۔ توزین و تقدیر کے ضروریات
سے یہ امور ہین کہ وازن صاحب عقل و فہم اور
قدرت رکھنے والا ہو یعنے وازن اُس شے
موزون کو تول سکتا ہو اور دسترس رکھتا ہو
تیسرے شے موزونہ وجود رکھتی ہو چوتھے یہ کہ وازن
حاجت وزن بھی رکھتا ہو پس اگر اتنے امور موجود
ہون گے تو پھر توزین و تقدیر لازمی ہو جائے گی
پس بعد اس تقریر کے اب آپ یہ غور فرمایئے
ہر وہ شے جس کے لیے کوئی نہ کوئی مفہوم و
معنے ہین یا تو وہ شے ضروری الوجود ہے۔ یعنے
عدم کا لحوق بالکل ہی اُس سے نہین ہوتا یا ضروری العدم
یعنے وجود کا لحوق اُس سے کبھی نہین ہوتا یا یہ کہ
وجود و عدم دونون کا جنبہ اس کیلئے برابر ہو گاہے
موجود اور گاہے معدوم رہتی ہے۔ اگر ضروری العدم
ہے تو ایسی شے کی توزین و تقدیر ممکن ہی نہین!
کیونکہ شرائط توزین سے شے موزونہ کا موجود ہونا
ہے۔ اب رہی پہلی قسم جس کا وجود ضروری ہے
اور عدم کا لحوق نہین ہوتا تو ایسی شے اگرچہ وجود
ہونے کے اعتبار سے قابل توزین تو ضرور ہے۔ مگر
چونکہ شرائط توزین سے یہ بھی ہے کہ ذوات وازن

شے موزون سے اعلیٰ و اکمل یا دسترس رکھتی ہو
اور یہان کوئی ایسا دوسرا وازن نہین جو کہ ضروری
وجود پر بھی افضل و قدرت رکھتا ہو کیونکہ انحصار تقسیم
کا تین ہی ذات مین محصور ہے پس ذات
ضروری الوجود باوجود قابل توزین ہونے کے
پھر بھی توزین نہین ہو سکتی اسی کی طرف اشارہ
کیا جاتا ہے کہ ذات ضروری الوجود متضاد صفتون
سے متصف ہے۔ اب بھی تیسری قسم جو گا ہے
موجود اور گاہے معدوم رہتی ہے تو ایسی قسم
مین چونکہ شائبہ وجود موجود ہے و نیز اس سے
بڑھکر دسترس رکھنے والی ایک دوسری ذات
ضروری الوجود بھی موجود ہے پس اب اس تیسری
قسم کے جو افراد ملحوظ ہو سکتے ہین اُن کی توزین
و تقدیر بھی ممکن ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ذات وازن
ضروری الوجود ہونے کی وجہ سے عاقل قادر صاحب
علم وغیرہ کل صفات کمالیہ سے متصف بھی ہے
پس کل ممکنات کی توزین و تقدیر ممکن ہے اب
رہا یہ امر کہ اس جیسی ضروری الوجود ہستی کیلئے
جو کہ غنی بالذات و بالکل ہی محتاج الی الغیر
قطعی نہین ہے۔ اب ممکنات کی توزین و تقدیر
کیون ضروری ہوئی ؟ کوئی وجہ معلوم نہین
ہوتی ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذات ضروری
الوجود، ضروری الوجود ہونے کی وجہ سے حیات
ابدی و قیام سرمدی، قدرت دائمی و علم ازلی
وغیرہ کل صفات سے متصف ہے۔ پس اُس کے
علم ابدی و ازلی نے مجبور کر دیا کہ اُس کو عالم
ماکان و ما یکون (جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا) وغیرہ
حتمی تسلیم کیا جائے ورنہ اگر یہ علم وغیرہ اوصاف
ذات ضروری الوجود کی ذات کیساتھ ساتھ خود
خود بھی ابدی و قدیم نہ تسلیم کیئے جائینگے تو پھر
خود اُس کی ذات بھی ابدی باقی نہ رہے گی کیونکہ
اُس کے اوصاف تو کل کے کل عین ذات تسلیم
کیئے گئے ہین! لہذا عالم ماکان و ما یکون تسلیم
کرنا لازم ہوگا اور یہی علم ماکان و ما یکون اگر
من قبل احوال و عوارض و ذوات و حقایق اشیاء
ہین تو انھین کا نام مقدرات ہے۔

بالکل ہی واضح امر یہ ہے کہ وہ ذات
ضروری الوجود جس کی قدرت اتنی کامل و زبردست
تو مسلمات و بدیہیات سے ہے کہ وہ اسی قدرت
اکمل کے ذریعہ سے اشیاء ممکنہ معدومہ کو عند
ضرورۃ الوجود حیز عدم سے کھینچکر وجود و جود کا
جامہ پہناتی ہے۔ اکیا ایسی کامل و قوی قدرت
والی ذات کا علم اتنا بھی کامل و قوی نہ ہوگا
کہ وہ اُنھین ذوات ممکنہ معدومہ کے اُن احوال
و عوارضات و افعال کا علم رکھتا ہو جو کہ انھین
ذوات ممکنہ معدومہ سے بعد وجود انھین ذوات
کے حدوث و ظہور مین آنیوالے ہین بعبارت
اخریٰ جبکہ ذات ضروری الوجود اصل حقایق
و ذوات کے ساتھ اتنا ربط و تعلق رکھتی ہے
کہ اُنھین میدان عدم سے معرض وجود مین لاتی
ہے تو اِن ذوات کے ما یتعرض و ما یتعلق (یعنی
جو کچھ کہ متعلق و عوارض ہونگے) اُن سے تو
بہ درجہ اولیٰ ربط ارتباط و عالم ہوگی؟ ہماری
عقل تو تسلیم کرنے سے دریغ نہین کرتی ؟

کیونکہ جب اصل اشیا پر قدرت کا وہ اثر ہی تو اصل
کے فروعات و عوارض پر تو بدرجہ اتم و اکمل ہوگا
پس انھین عوارضات اصول و ذوات کا نام مقدرات
ہے جو کہ علم باری تعالیٰ مین منعکس ہین - و نیز یہ
بھی سمجھ لینا چاہیئے - کہ یہ منعکس عوارض ہرگز بدون
صدور افعال کے باعث نہین ہو سکتے کیونکہ اُن
کا وجود تو ایک عکسی و ظلی وجود اصلی عوارض و احوال
و افعال کا ہے -

قصہ مختصر یہ کہ مقدرات علم باری تعالیٰ کا
نام ہے اور مقدرات کے لیے حسب تقریر گذشتہ
ذوات و حقایق کا اولاً یعنے پہلے لازم ہی - پس
جمیع مقدرات کے لیے جو جو حقایق و ذوات منتزع
مفروض ہون گے اُن کل کے لیئے وجود اولی و تقدمی
بتسلیم کرنا لازم ہوگا پس وجود خارجی تو ناممکن ہوا
جیسا کہ گذرا ہان وجود علمی یا عکسی یا ظلی البتہ مفروض
ہوگا اور انھین کے محصلات موزونہ علمیہ کا نام
مقدرات ہوگا کیونکہ وجود حقیقی و نفس الامری
یہی ہین انھین کی موافقت سے علیٰ سبیل التدریج
تمامی ذوات و حقایق مذکورہ بعد مین وجود مین
آتے گیئے ہین -

دیکھیئے شے مین مادہ کی موافقت سے صفات
کا لحوق ہوا کرتا ہے جس طرح میلے کپڑے پر باعتبار
صاف کپڑے کے رنگ کم آتا ہی بوجہ عدم صلاحیت
پس اُسی طرح اشیاء ممکنہ چونکہ وجود و عدم
دونون سے متصف ہین اُنکے اوصاف بھی
ویسے ہی گاہے معدوم و گاہے موجود ہون گے
لیکن ذات واجب الوجود چونکہ ضروری الوجود
ہی - پس اُس کے اوصاف بھی ویسے ہی ابدی الوجود
ہون گے اور منجملہ تمام اوصاف کے ایک قدرت
دوسرے علم ہے - پس ممکن کی قدرت و علم اگر موجود
چیزون سے متعلق ہو سکتی تھی تو کیا مضائقہ ہے کہ
واجب الوجود جو ممکن سے بدرجہ اولیٰ ذات و صفات
کل مین کامل اور حد انتہا کو پہنچا ہوا ہے وہ ممکنات
معدومہ کے ذوات و عوارض و احوال و افعال
سے متعلق ہو سکے اور یہ ہرگز بعید از عقل و فہم بھی
نہین ہے کیونکہ آخر ممکن و واجب مین کچھ تو فرق
ہونا چاہیئے ؟ پس وہ فرق یہی ہے اب رہ گیا
تقدم و تاخر کا جھگڑا تو اُس کا تصفیہ ابھی گذر چکا
کچھ اور بھی بسط دینے کو دل چاہتا ہے مگر مومنین
کے گھبرانے کی وجہ سے ترک کیئے دیتے ہین - انشاء اللہ
اس قسم کے مسئلے برابر ہدیۂ ناظرین کرتا رہون گا امیدوار
دعاء خیر ہون -

احقر نذر حسن کاشف گوپالپوری

یاد رفتگان

علماے اسلام اور فقہاے شرع نے جس قدر
خدمتین ایمان اور اہل ایمان کی اپنی چلتی ہوئی زبانون اور
اپنے سحر نگار قلمون سے کی ہین اُنکا احصار مشکل و اُنکا
شمار دشوار ہی - اُنکی ہدایتون نے ایک طرف واعظ حسنہ
کی صورت مین گم گشتگان راہ حقیقت کو جادۂ ہدایت کا
سالک بنایا دوسری طرف اُنکی بیش بہا تالیفون نے
ایک واعظ مغلق بنکر بھٹکے ہوئون کو راستہ پر لگا دیا
اگر مدارس مین اُنکی تعلیم و تدریس کا ثمرہ ایک صفات
افاضل کے پیکر مین نمودار ہوا تو مجالس مین ان ...

تذکرۂ علوم و معارف نے جلوہ بزم قدس الٰہی کا منظر
پیش کر دیا اساطین علم و حکمت کے زیر نگین اگر
ایک طرف گروہ افاضل و طلاب نظر آتا ہے تو
دوسری طرف صفوف سلاطین دنیا۔ ایک جانب
عوام و مقلدین کا جھنڈ تو دوسری سمت خواص
معتقدین کا انبوہ۔ اسی مقدس گروہ کو آپ کبھی مسند
اجتہاد پر فتویٰ دیتے ہوئے اور کبھی گلیم مسکنت پر
تشنگان علوم کو سیراب کرتے ہوئے دیکھیں گے۔
کبھی صدر مجلس قضا میں مقدمات کے فیصلہ کرتے
ہوئے کبھی فرش زمین پر بنی غبرا سے کلام کرتے
ہوئے پائیں گے طالبان معارف کے سر اور شاہان
دنیا کی جبینیں انھیں کے عتبات عالیات پر مصروف
سجود نظر آئیں گی۔ انھیں کے قلموں کی گردش سے
سلطنتیں منقلب اور مملکتیں برباد ہوتے ہوئے
دیکھیں گے۔ انھیں کی سیاست سے نظام عدل و داد
قائم ہوتے ہوئے پائیں گے۔ یہی پاکیزہ خصلت گروہ
گدائی میں بادشاہی اور گلیم مسکنت میں جلکلاہی کیا
کرتا ہے۔ قلوب اہل عالم اسی کے اشارہ چشم و ابرو
کے مسخر عقول دنیا انھیں کی ہدایتوں کے نتائج
انکے مسکنت و فقر پر دنیا متعجب انکے جود و سخا پر
عالم انگشت بدندان۔ انھیں کے لیے ہی میراث
کے انبیاء کی منزلت اور انھیں کے سیے خدا کی
خشیت مخصوص۔ انھیں کے متعلق قول ختمی مآب
علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا خلعت زیب دہ
انھیں کے واسطے قول خداوند عالم انما یخشی اللہ
من عبادہ العلماء کا گران بہا زیور زینت۔ انھیں کے
مرتبے عند اللہ بلند اور عند الرسول ارفع ہیں انھیں
کی بزم قدس میں ملائکہ کے پروں کی آوازیں اور
تسبیح و تہلیل کی صدائیں سننے میں آیا کرتی ہیں
انھیں کے فتاوے سلاطین دنیا کے فرامین سے
کہیں زیادہ وقیع اور قابل عمل ہوتے ہیں جی
چاہتا ہے کہ ان گذشتگان بزم ہستی اور ان
رفتگان عالم کی یاد تازہ اور ان بزرگوں کی
سوانح حیات لکھوں کیونکہ انھوں نے اپنی
عمریں گوشۂ خمول میں گذار دیں اور اپنی
زندگیاں زاویۂ گمنامی میں بسر کر دیں۔ انھیں
کی ذاتیں شموس فلک علم و کمال بنکے چمکے
اور نجوم سمائے عز و وقار بنکے ظاہر ہوئے انھیں کے
دریائے علم سے تشنگان علوم و معارف سیراب ہوئے
اور انھیں کی ہدایتوں سے باغ اسلام کے خشک
پودے ہرے بھرے ہوئے انھیں ستودہ صفات
بزرگوں میں سے جناب مولانا شیخ محمد بن علی بن
محمد بن الحسین حر عاملی علیہ الرحمۃ بھی ہیں جو
مولف امل الآمل کے چچا تھے اور بہت ہی مقدس
عالم و فاضل تحقیق کرنے والے حافظ و جامع
العلوم تھے عابد و زاہد متورع و متقی تھے منشی ادیب
فن ادب میں حد کمال کو پہونچے ہوئے تھے
اشعار دلگداز اور ابیات جانسوز کہتے تھے صاحب
امل الآمل کے استاد تھے۔ آپ نے ایک سفرنامہ
بھی لکھا ہے جس کا نام (الرحلۃ) لکھا ہے آپکا
ایک دیوان شعر بھی زبان عربی میں ہے جسکے دیکھنے
سے آپ کے بلند پایہ استاد ہونیکی تصدیق ہوتی ہے

آپ شہید ثانی علیہ الرحمۃ کے فرزند رشید کی بیٹی کے
بیٹے تھے اور آپ کے قصائد مدح اہلبیت میں
بہت ہیں۔

سید علی بن میرزا احمد نے سلافۃ العصر میں
شیخ موصوف کا یون ذکر کیا ہے۔ حوز فیہ من الشعر
عتیق سلافۃ الادب۔ یتدرب فی صحی الکلام طافحا
اذا دعاہ دب۔ شیخ موصوف کا ایک دیوان ہے
جس میں آپ نے ان اشعار کو جمع کیا ہے جو نچوڑ
ادب کی کھنچی ہوئی عمدہ اور نفیس شراب ہے۔ انکی
نادر الکلامی اس حد پر پہونچی ہوئی ہے کہ دقیق
سے دقیق باریک سے باریک مضمون کی بندش کے
وقت الفاظ انکے پاس ہاتھ جوڑے ہوئے حاضر
ہو جاتے ہیں۔ ولہ شعر یستلب نہی العقول بسحرہ
ویحل من البیان بین سحرہ ونحرہ۔ یعنی اشعار آپکے
ایسے بھی ہیں جو کامل العقول لوگوں کی عقلوں کو
اپنے جادو سے لوٹ لیتے ہیں اور معلوم ہونے لگتا ہے
کہ فصاحت بیان انھیں کے سینہ وگردن پر فرود گاہ
بنائے ہوے ہیں۔ فہو ادق من خصر میاد مجدولۃ
وارق واصفی من صہباء شعشعہا ومقلۃ مکحولۃ
بالتحقیق۔ وہ اشعار اپنی لطافت میں پتلی کمر والی
حسینہ سے زیادہ اور آب وتاب میں اس شراب
ناب سے جس میں سرمگین چشم والے محبوب نے پانی
ملایا ہو بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ دو شعر انھیں کے مدح میں
اپنے لقب سے انھوں نے تو یہ کہا ہے وہما ہذہ۔
قلبت الا یجنب الحر بذل المجہود فی حتفہا الحر
[illegible] صرفت [illegible] فی نحلہا الحر
جب میں نہا نمر کی ہجو کرنے پہ مجبور ہوا تو یوں اٹھا

کہ زمانہ ہمیشہ سفلہ پروری کیا کرتا ہے اور جہلا کی
نگاہداشت میں مصروف رہتا ہے اسکی شکایت کیونکر
نہ کیجائے کیونکہ اسنے آزاد لوگون کو گوشہ خمول میں
ڈالدیا ہے۔ حر آپکا لقب تھا آپکے اشعار میں یہ شعر بھی ہے
یا اکرم العیدان الشوق تجلی علی التمعنی + فجدہ طرفی فتنھل دموعی
ویحیہ تاہی مدمعی بعید ذکرکم + فتذکرا حرار الجوی بین اضلعی
اے بعید الدیار میرا دل تجھکو جب شوق کی نگاہوں
سے دیکھتا ہے اور آنکھیں تجھکو نہیں دیکھتیں تو نار حسد
سے جلکر بہنے لگتی ہیں۔ اور جب تیری یاد میں آنکھیں
مشغول گریہ وبکا ہوتی ہیں تو دل حسد کی آگ میں
جلنے لگتا ہے اور سوز محبت کی آگ بڑھکر میرے پہلو
اور اطراف کو جلانے لگتی ہے۔ آپکے چند اشعار میں سے
یہ دو شعر بھی ہیں۔ یا دہر کم تختشی عکسا لوری غصصا
وکم تراعی لاہل اللوم من ذممہ + بجلۃ التدکین الطباع
تریہم + فی رفعۃ النذل صدعا غیر ملتئم + اے زمانہ
خدارا کب تک حلاوت تیرے ہاتھوں غم وغصہ کھائیگی
اور کب تک تو کمینوں کے عہد و ذمہ کو استوار رکھیگا
ہان خدا کی مصلحت یہی ہے لیکن شرفا کے قلوب اور
طبیعتیں کمینوں کی رفعت دیکھکر شگافتہ ہو رہے ہیں۔
آپ عمر کی ناپایداری اور دنیا کی مذمت اور موت کی
یاد یون فرماتے ہیں۔

قطعہ کی صورت میں اشعار نظم فرماتے ہیں
تنبہ فاوقات الصبا عما عنہ + وعما قلیل سوف
تسلبہا قسرا + وما المرء الا ضیف طیف لاہلہ + یقیم
قلیلا ثم یغدو لہم ذکرا + وان بنی الدنیا وان طال لہم
بہا وحلوا فوق السما قدرا کرکب باخو مستظلین
برہۃ + وحثوا المطایا نحو منزلۃ اخری + اے نفس

غافل ہوشیار ہو جا یہ کھیل کود کب تک بچے کا
زمانہ بہت جلد گزرنے والا ہی اور اسکی جگہ وقار
و پیری لینے والی ہین۔ آدمی دنیا مین اپنے اہل و
عیال کے اندر شب کا مہمان ہے رات بھر رہتا ہی
اور صبح کو اپنا ذکر چھوڑ کر چل بستا ہی۔ اہل دنیا اگر
طویل عمر بھی پالین اور قدر و منزلت مین ثریا
ستارہ تک بھی پہونچ جائین جب بھی انکی حالت
بمنزلہ اس قافلے کے ہوگی جو کسی مقام پر سایہ دار
درخت کے نیچے بسیرا لے اور پھر دوسری منزل
کی تلاش مین چل نکلے۔ آپ کے مدحتہ اشعار
مین سے دو شعر یہ ہین الکان حبی للوصی درمطہ
رفضاً کما زعم الجہول الخائض ﴿ والاحمد الروح
الامین و احمد ﴿ و جمیع املاک السماء روافض ﴿
اگر علی بن ابی طالب اور انکی عترت کی محبت کا نام
رفض ہے تو پھر خدا اور روح الامین اور محمد مصطفے
سب کے سب رافضی ہین۔ فقط باقی آیندہ

اسلام اور مساوات

غلامی اور مساوات ایسی دو چیزین ہین جن
مین پہلے کے نام سے بچے بھی ڈرتے ہین اور فطرۃً
ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ غلامی کے طوق سے
آزاد ہو کر دنیا مین مساوات کی زندگی بسر کرے۔
آج جس چیز نے مختلف قومون کو بیدار کر کے اس
وقت کی بغاوت کا پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا ہے
وہ یہی مساوات کا سوال ہے۔ دنیا مین جس قدر
فساد پھیلے رہے وہ اس لیے کہ بنی نوع انسان مین
مساوات کا لحاظ نہین رکھا گیا جیسا اہل ہنود نے

قومون کی چار قسمین کر دین جن مین سے ایک گروہ
دوسرے گروہ کا کام نہین کر سکتا۔ برہمن۔ چھتری
ویش۔ شودر۔ برہمن کا کام صرف تعلم و تعلیم
اور مذہبی معلومات سے مالا مال ہونا ہے اس
مین دوسری قوم کو کوئی دخل نہین۔ چھتری کا
کام فن سپہگری مین مہارت حاصل کرنا اور
یہی وقت ضرورت میدان جنگ مین کام آنا
ہے۔ ویش کا کام زراعت۔ صناعت و تجارت
وغیرہ کام کاج ہین جنسے ملک مین مال و دولت
برقرار رہے۔ شودر کا کام ملازمت نوکری۔
خدمت گزاری۔ اور معمولی کامون کا انجام دینا
ہے۔ ہر گروہ کے لیے ایک ایک کام مخصوص ہے
اور اس گروہ کے سوا دوسرا گروہ اس کام مین دخل
نہین دے سکتا۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ وید
کی تعلیم غلامی ہے۔ وہ یہ چاہتے ہین کہ ہمیشہ
برہمن شاہی کرتے رہین اور شودر غلامی کی
زنجیرون مین گرفتار رہین۔ اسی طرح گذشتہ
جس قدر قومین گذرین اونھون نے مختلف طریقے
غلامی کی تعلیم دی۔ کم از کم انکی غلامی ضرور تھی
کہ وہ اپنے مقابلہ مین دوسری قوم کی کوئی
ہستی نہین سمجھتے تھے۔ اونکا یہ خیال تھا کہ دنیا
مین جو کچھ ہین ہم ہین۔ دنیا ہمارے لیے ہے اور ہم
دنیا کے لیے ہین۔ وہ یہ نہین سمجھتے تھے کہ ہمارے
سوا اور بھی انسان ہین جنکا وجود ذات عالم مین
حق ہی۔ یہی غلامی ہے جسنے تکبر کی بستیون کو
آباد کیا جس کا سنگ بنیاد حضرت آدم کے
مقابلہ مین سجدہ کر کے شیطان نے ڈالا اور

اوسکے بعد اوسکے شاگرد اس عمارت کو بلند
کرتے رہے۔ یہانتک کہ نمرود اور فرعون نے
اپنی شاہی کو خدائی کی حد تک پہونچا دیا اور
انا ربکم الاعلیٰ کی آوازین آنے لگین اگر ان کو
مساوات کا لحاظ ہوتا تو سمجھتے کہ جیسے ہم ایک
محدود طاقت والے انسان ہین ویسے ہی دوسرے
جسکے یہ محتاج ہین اوسی قدر یہ۔ ہان انکی محتاجی
کم ہے اور ہماری زیادہ۔ صرف اتنا فرق ہے
کہ ہم بادشاہ کہلاتے ہین اور یہ رعایا۔ شاہی کا مطلب
اپنی راحت و آرام کی فکر نہین بلکہ رعایا کی پاسبانی
اور اونکو راحت رسانی ہے۔ مگر غلامی کے تصور
نے اونکو ایسا اندھا کر دیا کہ خدائی کا دعوی کرنے
لگے۔ آج بھی مختلف اقوام مین جو فسادات برپا
ہو رہے ہین وہ صرف اس لیے کہ ہر شخص حاکم بنکر
دوسرے انسان کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے
مگر ان تمام اقوام اور مذاہب کی تعلیمون کے
مقابلہ مین اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آپنے آپ کو
صرف اوس خدا کا غلام تصور کرو جسنے تمکو پیدا
کیا اوسکے علاوہ سب انسان برابر ہین۔

اسلیے جناب رب العزت نے رفاہ عام
کے لیے جتنی چیزین پیدا کین اون مین تمام انسانون کا
حصہ برابر رکھا۔ فرش زمین بچھایا تو شاہ و
گدا دونون کے لیے ایک سا فرش۔ شامیانۂ
فلک تیار کیا تو رئیس و فقیر کے لیے ایک سا شامیانہ
دریا اور نہرین بنائین تو دونون مین کوئی امتیاز نہین
رکھا۔ محتاج کے لیے روک ٹوک اور نہ بادشاہ
کے لیے آزادی نہ فقیر کو کم اور نہ رئیس کو زیادہ۔
دنیا کو منور کرنے کے لیے دو چراغ بنائے دن کے
لیے آفتاب۔ رات کے لیے ماہتاب۔ ماہ و مہر
نے جس طرح ایک بادشاہ کی محلسرا کو منور کیا
اوسی طرح ایک محتاج کے جھونپڑے کو اپنی ضیا
شعاعون سے چمکا دیا۔ بہرحال اوس نے جتنی
چیزین بنائین اون مین کوئی فرق نہین رکھا۔
لیکن جب وہ انسانون کے ہاتھون مین آئین تو
اونھون نے اوس مین فرق پیدا کر دیا۔ اوس نے
جب پیدا کیا تو سب کو ایک صورت مین پیدا
کیا۔ بادشاہ کا بچہ بھی برہنہ پیدا ہوا اور فقیر کا
بھی۔ بادشاہ نے ریشمی کپڑے پہنا دیے اور
فقیر نے پھٹے ہوے کپڑون مین اپنے بچہ کی
پرورش کی۔ اسکے بعد جب مرنے کا وقت
آیا تو جس ملک کو ایک محتاج کی قبض روح
کے لیے مقرر کیا اوسی کو بادشاہ پر مسلط کیا۔
جس وضع کا کفن فقیر کے لیے واجب کیا
ویسا ہی بادشاہ کے لیے جتنی چوڑی اور جتنی
گہری قبر بادشاہ کے لیے مقرر کی ویسی ہی
محتاج کے لیے۔ اسلام نے بالکل ویسی ہی
تعلیم دی جیسی اور جسقدر نمازین محتاج پر
واجب ویسی ہی اور اوسی قدر نمازین بادشاہ
پر فرض ہین۔ ایک ہی جماعت مین بادشاہ
بھی اور محتاج بھی۔ بلکہ ایک ہی صف مین
ایک پہلو مین بادشاہ اور دوسرے مین محتاج
بلکہ آگے کی صف مین ایک محتاج اور پیچھے
کی صف مین ایک بادشاہ۔ دربار شاہی کا
وہ تکلف اور دربار خدا کی یہ بے تکلفی جسکا

صاف طور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ درباری تعلیم غلط اور خدائی تعلیم درست - دربار کی تعلیم غلامی اور خدائی تعلیم مساوات - اوس نے روزہ دان کا حکم دیا تو بلا امتیاز دیا - جس روزے محتاج پر فرض ہین اوسی کے بادشاہ پر واجب ہین -

محتاج پر صرف جان سے جہاد واجب ہے لیکن مالدار پر مال اور جان دونون سے جہاد فرض ہے -

محتاج پر حج و زکوٰۃ واجب نہین لیکن مالدار پر دونون فرض ہین تاکہ مالدار فقیر ار کو مال دین خود ضرورت سے زیادہ سے ہین اور نہ محتاج بھوک سے مر جائین بلکہ دونون مساوات کی زندگی بسر کرین - اسی طرح اسلام کے جتنے احکام ہین اون سب مین یہی مساوات مد نظر ہے - مسلمان اسپر عمل کرین یا نہ کرین یہ اون کا فعل ہے لیکن اسلام کی اصلی تعلیم جس کے ذریعہ دنیا کے تمام جھگڑے مٹ سکتے ہین مساوات تھی - اس تعلیم کے مقابلہ مین دنیا کے جس مذہب کی تعلیم رکھی جائے گی یقینی طور سے وہ گر جائے گی جس کے بعد ایک منصف مزاج آدمی کو یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہین کر سکتا - فقط

احقر مرزا یوسف حسین عفی عنہ

(صدر الافاضل - ملا فاضل - دبیر کامل)

۵ جنوری ۱۹۳۰ء

انسان کا آزاد ہونا ناممکن ہے

یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے کہ انسان آزاد ہے یا مقید اور اگر آزاد ہے تو کس حیثیت سے اور مقید ہے تو کس اعتبار سے - چنانچہ ان شبہات مین مختلف مذاہب اور متعدد فرقے قائم ہو گئے کوئی فرقہ تو یہ کہتا ہے کہ انسان قطعاً آزاد ہے مذہبی پابندی شخصی اور قومی ترقی کو ضرر پہونچاتی ہے کوئی اسکا قائل ہے کہ مذہب کی پابندی کرنا جہانتک مخل عیش نہو کچھ حرج نہین کوئی قیود مذہب کو اسقدر کوتاہ نظری سے دیکھتا ہے کہ جان جاتی رہے مگر سر مو کسی مذہبی حکم مین فرق نہ آنے پائے کوئی دنیا کے کاروبار اور اُسکی عیش و فارغ البالی کو مذہبی قید شکنی جانتا ہے الغرض یہ سب درجات افراط و تفریط کے ہین حد اعتدال یہ ہے کہ قید و آزادی دونون کے درمیان درجۂ توسط کو اختیار کرنا چاہیے -

یہ ظاہر ہے کہ آزادی کی ضد قید ہے - پس لفظاً تو آزادی بہت وسیع مگر معناً اسقدر محدود کہ گویا بالکل عنقا اور قید لفظاً بہت محدود مگر معناً اسقدر وسیع کہ تمام دنیا کا کارخانہ اسی پر چلتا ہے لہذا اسلامی فلسفہ نے یہ مسئلہ مسلمہ قرار دے دیا کہ آزادی صرف ذات الٰہی کے لیے ہے اور تمام عالم مقید ہے کیونکہ پہلی قید تو عدم کی ہے جب تک کوئی چیز وجود مین نہ آئے اسوقت تک عدم کی قید مین ہے - دوسری قید حدوث کی یعنی جب کوئی چیز پیدا ہو چکی تو مخلوقیت کی قید

رہتی ہے تیسری قید زمانہ یعنی عمر کی قید کہ ایک
مدت مقررہ تک اُس حد مین ہر چیز مقید ہے۔
چوتھی قید مکان کی کہ جب تک وجود کسی چیز کا
ہے وہ ایک حد معین مین قید رہیگی۔ پانچوین قید
موت و فنا کی جو کہ ہر وقت ممکنات کے ساتھ ساتھ
ہے چنانچہ کل شئی ہالک الا وجہہ (ہر چیز فنا
ہوجانے والی ہے سوائے ذات خدا کے) قرآنی
فلسفہ کا مسلمہ کلیہ ہے۔ چھٹی قید عجز و نقصان کی
جو حد مقررہ سے بڑھنے نہین دیتی۔ ساتوین قید
قانون قدرت کی کہ اسکے خلاف کوئی چیز اپنی حد
سے تجاوز نہین کرسکتی پس ان قیود کو انسان جو
کہ اشرف المخلوقات ہے خود اپنے مین دیکھ لے
کہ ایک وقت نہ تھا۔ پیدا ہوا۔ ایک مدت معین تک
رہیگا پھر اجل آنے کی روانہ ہوجائے گا۔
قوت جسمانی سے زیادہ کچھ نہین کرسکتا ہر کام مین
دوسرے کا محتاج ہے۔ یہانتک کہ فقط نان جوین
کے لیے دانہ بونے سے لقمہ کھانے تک ایک سو
عمل بجالانے کی احتیاج ہوتی ہے نتیجہ یہ کہ آزادی
مفقود سراسر قید ہی قید ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ زمانۂ حال کے نوخیز نو
تعلیم حضرات مین جو معنی آزادی کے مستعمل ہین
اُن پر نظر کرکے آیا واقعی انسان آزاد ہے یا مقید اسکے
جواب کے لیے بیانات مذکورۂ بالا بشرط غور و فکر
کافی ہین مگر مزید صراحت کی غرض سے دو جواب
اور لکھے ہین۔ اول یہ کہ آدمی اگر لباس انسانیت مین
ہے تو آزاد ہے اور اگر جامۂ حیوانیت مین ہے تو مقید
دوم اسکے برعکس یعنی اگر آدمی جامۂ حیوانیت مین
ہے تو آزاد ہے اور اگر لباس انسانیت مین ہے تو مقید۔
پہلے جواب کی تشریح یہ ہے کہ جامۂ انسانیت
مسلمہ طور سے علم باعمل ہے جب اس جامہ کو
زیب تن کرلیا تو یہ وہ آزادی حاصل ہوگی جو
اصل غرض خلقت انسانی سے ہے ورنہ جہل کی
قید جو کہ عذاب الیم ہے کچھ نہین کرنے دیتی گویا
ہاتھ پیر جکڑے ہوئے ہین۔ اسکو قید حیوانیت
کہتے ہین۔

دوسرے جواب کی تصریح یہ ہے کہ حیوانات کے
لیے کوئی تکلیف شرعیہ و فرائض ذاتیہ مقرر نہین
وہ تعیش مین آزاد ہین جہان چاہین جائین جہان
چاہین رہین۔ دن بھر شکم پروری و نفس پرستی
کرنا اور شب کو آرام سے سونا۔ اس سے زیادہ کیا
آزادی ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ آزادی نہایت
خطرناک اور آفات سے مملو ہے۔ آپس مین
لڑتے ہین تو کوئی مصلح نہین ہوتا مغلوب ہوتے
ہین تو کوئی امان نہین دیتا۔ مصیبت پڑتی ہے تو
کوئی ہمدرد نہین۔ بیمار ہوئے تو کوئی تیماردار
نہین۔ ذرا غفلت کی تو دوسرے جانور درندے
خوراک ہوگئے شکاری کی نظر پڑ گئی تو اوسنے
مار لیا پھر ان مین نہ عفت و حیا نہ شرم و لحاظ
نہ پاس ننگ و عار۔ بالجملہ یہ آزادی تو انسان کو
پسند نہین نہ اسواسطے وہ پیدا کیا گیا بلکہ وہ تو
جامۂ انسانیت کا شائق ہے جسکو پہنکر وہ ان
سب پر حکومت کرے اور انکو اپنا خدمت گذار
بنائے مگر اس جامہ کے لیے بیشمار قیود ہین۔
جب تک حالت طفلی مین ہے والدین کی

تربیت و تادیب کی قید اور عمر بڑھی تو اُستاد کی
کی تعلیم و تشدد کی قید جب اس سے رہائی ہوئی
تو بہت سے قیود میں پھنسا عقل کی قید کہ وہ
آزادانہ بیباکانہ مرغوبات میں روکتی ہے۔
علم کی قید کہ وہ اپنے اصول کے خلاف کچھ
کرنے نہیں دیتا۔ تکلیف شرعیہ اور فرائض انسانی
کی قید۔ آداب و رسوم دنیوی کی قید۔ اخلاق
و عادات کی قید۔ رضامندی زوج و زوجہ
کی قید۔ اولاد کی پرورش و پرداخت کی قید
انجام دہی خدمات کی قید۔ دوستوں کی رضاجوئی
کی قید۔ اعزا سے خوش سلوکی کی قید۔ والدین کی
فرمانبرداری کی قید۔ حاکم وقت کی اطاعت
شعاری کی قید۔ یہانتک کہ زمانہ شباب انھین
قیود میں ختم ہو گیا۔ بڑھاپا آیا تو آیت پیری و صد
عیب کی قید میں عمر تمام ہو گئی۔ پھر بھی نجات
نہ ملی تھی کہ قبر کے دائمی محبس میں گرفتار ہو گیا
ایسی قیود کے بعد پھر بھی انسان اپنے کو آزاد
کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں۔

پس غور کرنے سے نتیجہ ہر دو جوابات
مذکورۂ بالا کا یہ نکلتا ہے کہ آدمی جامۂ انسانیت
مین آزاد بھی ہے اور مقید بھی۔ قید یہ ہے کہ مدت
العمر فرائض انسانی کو سرگرمی سے انجام دے۔
اور آزادی یہ ہے کہ قانون الٰہی و قواعد اخلاقی
کی حد مین فارغ البالی سے زندگی بسر کرے
اگر اس حد سے تجاوز کیا تو جامۂ انسانیت سے
عریان ہو جائیگا۔ اور اگر اسی حد کے اندر رہا تو
فیض عطا و والی حاصل کر سکیگا۔ کیونکہ اسی حد کا
نام صراط مستقیم ہے جسکے منتہا کو منعمِ
نعمت ہاے الٰہی کے فیضیاب ہوتے ہین۔
چنانچہ آیہ وافی ہدایہ اہدنا الصراط المستقیم صراط
الذین انعمت علیہم مین اسی راہ کی جانب
اشارہ ہے کہ طلبگار منزل حق نماز ہاے پنجگانہ
مین مالک حقیقی سے التجا کرتا ہے کہ ہمکو راہ
راست کی ہدایت فرما ان لوگون کی راہ جن پر
تو نے نعمت پہونچائی۔

بالجملہ فرائض انسانی کے تفصیلات آیندہ
علم اخلاق مین بیان کیے جائین گے۔ اس مقام
پر بحث آزادی کے متعلق ایک نکتہ یہ قابل ذکر
ہے کہ حکمت عملی نے اس مسئلہ کو مسلم کر لیا جس
سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ شکر نعمت واجب
ہے نعمت کے معنی بلا غرض و قصد عوض کے
احسان کرنا اور وجوب کے معنی مین جس کا ترک
کرنا قبیح اور مستلزم عقاب ہو۔ چنانچہ ترک کرنا
شکر کا عقلاً قبیح اور مستلزم عقاب ہے لہذا
عمل مین لانا اسکا واجب ہوا اور شکر سے مراد
نیکی کرنا یا ذکر جمیل اور مدح و ثنا کرنا بمقابلہ نعمت
کے اور اظہار احسان و رضاجوئی منعم کی بجا
لانا قلب و زبان و اعضا سے۔ پس اگر شکر
گذاری بمقابلۂ احسان و انعام منعم حقیقی کے
ہے تو اسکا نام عبادت ہے جو اسی دلیل کی بنا
پر واجب قرار پائی۔ اسکے بعد پھر مرتبہ والدین
اُستاد و بادشاہ وقت کے احسانات کا ہے
یعنی والدین کا احسان پرورش و پرداخت
اور اُستاد کا احسان تعلیم ہے۔